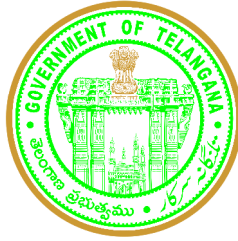


اقدار کی تعلیم - حیاتی مہارتیں

کتابچہ برائے اساتذہ

جماعت: دہم



ریاستی ادارہ برائے تعلیمی تحقیق و تربیت

تلنگانہ، حیدرآباد



پیش لفظ

انسان سماجی جانور ہے۔ اپنی بقاء کے لیے ضروری سماج کی تشکیل دیا ہے اس نظام کی دیکھ بھال، میل جول، بقاء اور ترقی کے لیے ضروری فہم اور بھروسہ ضروری ہے۔ اس کے لیے متحدہ جدوجہد اور باہمی تعاون بھی ضروری ہے۔ اس لیے انسانی سماج میں جانے پہچانے اور پسندیدہ اصولوں کی ضرورت ہے۔ جیسا ہم چاہتے ہیں ویسا برتاؤ کر نہیں سکتے۔ ہر سماج کے اپنے کچھ اخلاقی بنیادی اصول ہوتے ہیں۔ یہ اخلاقی اصول اکثریت کے لیے قابل قبول ہوتے ہیں۔

ایمانداری کے اصول ہمارے چال وچلن کے لیے مشعل راہ ہیں۔ اس لیے بچوں کو بھی چاہیے کہ اس پر عمل پیرا ہوں۔ اخلاقی ترقی سے مراد کچھ اصولوں پر عمل پیرا ہوتا ہے یا کسی کے ذریعہ ترتیب دیئے گئے مثالی نمونوں کے مطابق عمل پیرا ہونا ہی نہیں ہے بلکہ اخلاقی ترقی سیراد ہر موع پر صحیح وجوہات کی جانکاری حاصل کرنا، مدبرانہ فیصلہ کرتے ہوئے اس کے مطابق عمل پیرا ہونے کی صلاحیت کے حامل ہونا اخلاقی شعور کے ذریعہ لیے گئے فیصلہ سے ہم میں استقامت، امن و سکون سے رہنے کی صلاحیت فروغ پاتی ہے۔ یہ کام مجھے زبردستی تفویض کیا گیا ہے۔ ”اس لیے میں اس کو تکمیل کر رہا ہوں“ اس طرح کی منفی سوچ ہمیں رکھنا چاہیے۔ اس طرح ایک شخص کا خود امن و سکون، سکھ چین، آرام اور استقامت سے رہنا ہی اخلاقی ترقی کا خلاصہ ہے۔ اس کے لیے ضروری مہارتوں کا ہونا ہی زندگی کا ہنر ہے۔ اس میں مسائل کو حل کر لینا، بل جل کر کام انجام دینا، جذبات کا اظہار کرنا، قیادت کرنا، دوسروں سے خوشگوار تعلقات استوار کرنا ضروری ہے۔

یہ ایک اہم رجحان ہے کہ آج معاشرہ میں اخلاقی اقدار بد قسمتی سے زوال پذیر ہے۔ ہمارے اندر موجود مفاد پرستی، لالچ، بے ایمانی، اخلاقی اصولوں کا استحصال خود غرضی، انا پرستی جیسی بری عادتوں کی وجہ سے ہم اپنی زندگی کو پیچیدہ بنانے کے ساتھ ساتھ اپنے ماحول کو بھی آلودہ کر رہے ہیں۔ اس سے بے چینی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اخلاقی اقدار میں زوال کے ساتھ ساتھ بڑھتے ہوئے ذہنی تناؤ تہس نہیں ہوتے ہوئے انسانی اخلاق اور انسانی رشتوں کو ہم محسوس کر سکتے ہیں۔ یہ تمام ایک دن یا ایک سال میں رونما نہیں ہوتے ہیں۔ ہماری زندگیوں میں صبر، مساوات، اچھے برے کی تمیز کا فقدان اس کی اصل وجہ ہے۔ اس کی جگہ پر لالچ، چوری جیسی بری عادتیں جنم لے رہی ہیں۔ نتیجتاً سماج میں عدم تحفظ، عدم اعتمادی، چھوٹا خاندان، اقدار کی زوال پذیری، سماج میں بے چینی جیسے امور دیکھے جا رہے ہیں۔

ان کے تدارک کے لیے تعلیم کو ایک آلہ سمجھتے ہوئے اقداری تعلیم، حیاتی مہارتوں کے موضوع کو اسکولی تعلیم میں جماعت اول تا دہم ایک اہم مضمون کے طور پر متعارف کیا گیا ہے۔ اس کے ذریعہ نچے اسکولس تعلیم کے مکمل کرنے تک استدلالی غور و فکر کے حامل شہری کی طرح نشوونما پانے کے لیے درکار تربیت حاصل کریں گے۔

اعلیٰ اقدار، روئے، جذبہ ایثار، سماج ماحول اور اپنے ساتھیوں کے متعلق مخلصانہ و ہمدردانہ رویہ کا اظہار، ذمہ دار شہری

کے طور پر نشوونما کے لیے درکار نصاب (Syllabus) ریاستی ادارہ برائے تعلیمی تحقیق و تربیت حیدرآباد کی جانب سے تیار کیا گیا ہے۔ بچے آزادی سے گفتگو کرنا، سوالات کرنا، رد عمل ظاہر کرنا، اچھے برے کی تمیز کرنے کے قابل ہوں یہ بات ریاستی درسیاتی خاکہ 2011 کے ریاستی ویژن میں بیان کئے گئے ہیں۔ اس کو مد نظر رکھتے ہوئے ریاست میں جماعت اول تا دہم تک اقداری تعلیم، حیاتیاتی مہارتیں نصاب تدوین کیا گیا۔ پھر جماعت واری تدریسی واکتسابی کارگزاری کے لیے اساتذہ کے لیے کتابچہ تیار کیا گیا۔ جماعت اول تا دہم تک فروغ دیے جانے والے 18 اہم اقدار کی شناخت کر کے ہر جماعت میں ان کے متعلقہ اسباق سے جوڑ دیا گیا ہے۔ جو

(1) آزادی (2) مطمئن زندگی (3) کردار سازی (4) زندگی کی مہارتیں (5) احساس ذمہ داری (6) بچت (7) صحت کی قدر (8) تہذیب و تمدن سے محبت (9) سائنسی رجحان (10) انصاف (11) امن و چین سے مل جل کر زندگی گزارنا (12) محنت کی قدر (13) خدمت کا جذبہ (14) مساوات، بھائی چارگی، خواتین کے تئیں عزت (15) قومی جذبات۔ حب الوطنی (16) سیکولرزم۔ مذہبی رواداری (17) جمہوریت میں اقدار سے محبت (18) ایمانداری

ان میں سے 12 تعین سطحی اقدار اور فوقانوی سطح کے لیے جملہ 8 اقدار پر متعین ہے۔ ایک ایک قدر، ذیلی قدر کو تعین کرتے ہوئے اسباق تیار کئے گئے ہیں۔

اقدار (اخلاق) تدریس کے ذریعہ حاصل نہیں ہو سکتے۔ اس کا حصول عمل کے ذریعہ ممکن ہے۔ لہذا جماعت واری تیار کئے گئے اساتذہ کے کتابچہ میں، مناظر، واقعات، ہر منحصر بحث و مباحثہ، عمل کرنا، رد عمل ظاہر کرنا، جیسے سرگرمیوں سے مربوط ابواب شامل ہیں۔ مباحثہ کے ذریعہ روئے کی تربیت ہونا چاہئے۔ عمل کے ذریعہ برتاؤ میں تبدیلی کی امید کرتے ہوئے اسباق تیار کئے گئے ہیں۔ اس کو رو بہ عمل لانا چاہئے۔ ہماری ذمہ داری ہے اساتذہ کی رہنمائی کے لیے ہدایات کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ اسی طرح طلباء کے لیے ہدایات بھی موجود ہیں۔

چاہے کتنا ہے اچھا کتابچہ کیوں نہ ہو وہ معلم کی برابری نہیں کر سکتا۔ معلم خود کو ایک مثالی نمونہ کے طور پر پیش کرتے ہوئے اقدار کے فروغ کی کوشش کرے۔ نصابی منصوبہ اور جماعت واری منصوبہ کے تحت تیار کئے گئے کتابچہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے درس و تدریس کا کام انجام دیں۔ دستور ہند کے دیباچہ میں بتائے گئے عملی اقدار، روئے، استعداد لانی غور و فکر کے حامل شہری کی طرح فروغ پانے کے لیے ایک معلم کی حیثیت سے ہماری جانب سے پوری پوری کوششیں ہونی چاہئے۔ اس کتابچہ میں موجود نکات سے آپ کو کچھ حد تک رہنمائی مل سکتی ہے۔ اسی تک محدود نہ ہوتے ہوئے اس کے علاوہ دوسرا زائد مواد جمع کر کے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اقدار پر مبنی سماج کی تشکیل کے لیے ہماری یہ ادنیٰ کوشش چاہے ذرہ برابر ہی کیوں نہ ہو طلباء کے ذہنوں کو منور کرے گی۔ اس اعتماد کے ساتھ کوششیں کریں گے اور کامیابی حاصل کریں گے۔

مرتبین

شریتی کے آر.ٹی. ایل. جیو ترمی، کچھ رالیس سی ای آر.ٹی، حیدرآباد۔	شری سورنا و نائک، کوآرڈینیٹر، ایس سی ای آر.ٹی، حیدرآباد
شریتی یو. بی. ایس. ریش، کوآرڈینیٹر، ایس سی ای آر.ٹی، حیدرآباد	شری ٹی. وی. ایس. ریش، کوآرڈینیٹر، ایس سی ای آر.ٹی، حیدرآباد
شریتی ونگا پوری سورنالتا، معتمد، GHS، پاتا پنٹم، پولادورم، ضلع مغربی گوداوری	شری سری نیواسولا رگھورام، معلم، پرائمری اسکول گرنڈھی سری، ضلع نیلور
شریتی آگوڈوری سرلماس، معتمد، GPS، چیرلا پٹی، چتور ضلع	شری ایل. ایم. پرساد، معلم، GHS، CPL، امیر پیٹ، حیدرآباد
شریتی پی. مادھوی، تملگو پنڈت، بی. وی. بی. اے. آر. اسکول جوہلی ہلس، حیدرآباد	شری بسیلو لا پرتاپ، معلم، GPS، گما، چیتنا، عادل آباد
شریتی جی. بسرالادیوی، معتمد، GPS، گنگا پور، محبوب نگر	شری بلگم رام موہن، معلم، GPS، رویندراپور، مدھول، ضلع عادل آباد

شری نندی گاما کشورکار، تملگو پنڈت، GHS، اپا پور، ضلع محبوب نگر

معاونین

شری وی. سرتھ با بو، تملگو پنڈت، بیتا پھل منڈی، حیدرآباد۔	شریتی ڈاکٹر رما دیوی، کچھر، ایس سی ای آر.ٹی، حیدرآباد۔
شری ڈی. چنیا، اسکول اسٹنٹ، جگت گیری نگر، رنگار پٹی۔	شری ڈاکٹر ڈی. نریش با بو، تملگو پنڈت، GHS، گوسا ڈو، ضلع کرنول۔
شری ڈاکٹر جی. وشنو پرساد، اسکول اسٹنٹ، ضلع کرشنا۔	شری آر. وٹھل شرما، معلم، ضلع کریم نگر۔
شری ڈی. چناراؤ، تملگو پنڈت، ضلع وجیا نگر۔	شری کے. بشویشور راؤ، معلم، ضلع سریکا کلم۔

شری اے. سری نیواس راؤ، اسکول اسٹنٹ، ضلع وجیا نگر۔

ایڈیٹر اینڈ کوآرڈینیٹر

جناب محمد افتخار الدین شاد، ریاستی ادارہ برائے تعلیمی تحقیق و تربیت، تلنگانہ، حیدرآباد۔

مشیر

جناب ڈاکٹر این او پیندر ریڈی، پروفیسر و صدر شعبہ نصاب و درسی کتب، ریاستی ادارہ برائے تعلیمی تحقیق و تربیت، تلنگانہ، حیدرآباد

مشیران اعلیٰ

جناب ایس جگناتھر ریڈی

ڈائریکٹر،

ریاستی ادارہ برائے تعلیمی تحقیق و تربیت، تلنگانہ، حیدرآباد۔

جناب جی۔ گوپال ریڈی

سابق ڈائریکٹر،

ریاستی ادارہ برائے تعلیمی تحقیق و تربیت، تلنگانہ، حیدرآباد۔

اسمائے مترجمین و مرتبین

- جناب محمد عبدالمنین، گزٹیڈ ہیڈ ماسٹر،
ضلع پریشد چونابلی، ضلع نظام آباد۔
- جناب محمد ظہیر الدین، اسکول اسٹنٹ،
ضلع پریشد ہائی اسکول، آرمور، ضلع نظام آباد۔
- جناب محمد عبدالمعز، اسکول اسٹنٹ
گورنمنٹ ہائی اسکول، سواران، ضلع کریم نگر۔
- جناب محمد یسین شریف، گزٹیڈ ہیڈ ماسٹر،
نئی کودور، ضلع ورنگل۔
- جناب محمد مظفر اللہ خان، اسکول اسٹنٹ (اردو)
گورنمنٹ ہائی اسکول درگماں گڈہ، ضلع کریم نگر۔
- جناب محمد سرور، اسکول اسٹنٹ،
گورنمنٹ ہائی اسکول کرم پورہ، ضلع کریم نگر۔
- جناب عطا الرحمن، اسکول اسٹنٹ
ایم پی یو پی ایس، جنارم، ضلع عادل آباد۔
- جناب خورشید علی ہاشمی، اسکول اسٹنٹ
گورنمنٹ گزٹیڈ ہائی اسکول نمبر 1، ضلع عادل آباد۔
- جناب محمد علیم الدین، اسکول اسٹنٹ
ضلع پریشد ہائی اسکول، پتلور، ضلع رنگاریڈی۔
- جناب عبدالرؤف، اسکول اسٹنٹ
ضلع پریشد ہائی اسکول (ذکور) اوتکور، ضلع محبوب نگر۔
- جناب محمد نذیر احمد، موظف لکچرر
ایس بی ای آر ٹی، حیدرآباد۔
- ڈاکٹر محمد عبدالقدیر، اسکول اسٹنٹ،
ضلع پریشد ہائی اسکول، پوتھ، ضلع عادل آباد۔
- جناب فضل احمد شرفی، معلم اردو
گورنمنٹ ہوائس ہائی اسکول، کوٹلہ عالیجاہ، حیدرآباد۔
- جناب محمد عبدالرحمن شریف، معلم اردو
گورنمنٹ ہائی اسکول، پولیس لائن ضلع محبوب نگر۔
- جناب محمد حمید خان، معلم اردو
جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد۔
- جناب خواجہ محمد وحی الدین، اسکول اسٹنٹ،
ضلع پریشد ہائی اسکول، رامانگدم، ضلع کریم نگر۔
- جناب انصار اللہ، اسکول اسٹنٹ
گورنمنٹ ہائی اسکول، اسرئی کالونی، نزل، ضلع عادل آباد۔
- جناب محمد ایوب احمد، اسکول اسٹنٹ
ضلع پریشد ہائی اسکول (اردو)، آتما کور، ضلع محبوب نگر۔
- جناب ارشد محمد، ایس آر جی۔
ایم پی پی ایس، بیما گڈہ، ضلع عادل آباد۔
- جناب محمد اعجاز الدین، ایس جی ٹی
گورنمنٹ پرائمری اسکول، نیابازار، ضلع کھم۔

اساتذہ کے لیے ہدایتیں

- ”اقدار کی تعلیم- حیاتی مہارتیں“ کتابچے جماعت اول تا دہم ترتیب دی گئی ہیں یہ کتابیں بچوں کو ملحوظ رکھ کر تیار کی گئی ہیں۔ یعنی اساتذہ ان کا استعمال تدریسی و اکتسابی سرگرمیوں کے نظم اور بچوں کے خود اکتساب کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔
- ایک تعلیمی سال میں محکمہ تعلیمات کی جانب سے مضمون واری مختص کیے گئے پیریڈ کی تعداد کے مطابق جماعت واری اسباق کو شامل کیا گیا ہے۔
- جماعت ششم تا جماعت دہم ہفتہ میں 48 پیریڈ ہوتے ہیں۔ ان میں ہر مضمون کے تحت پیریڈ کی تقسیم حسب ذیل ہوگی۔

زبان اول	-	6 پیریڈ	-	سماجی علم	-	6 پیریڈ
زبان دوم	-	3 پیریڈ	-	اقدار کی تعلیم	-	2 پیریڈ
زبان سوم	-	6 پیریڈ	-	صحت و جسمانی تعلیم	-	3 پیریڈ
ریاضی	-	8 پیریڈ	-	فنون و ثقافتی تعلیم	-	3 پیریڈ
فزیکل سائنس	-	4 پیریڈ	-	کام، کمپیوٹر کی تعلیم	-	3 پیریڈ
حیاتیات	-	4 پیریڈ	-	جملہ	-	48 پیریڈ

- اقدار کی تعلیم حیاتی مہارتوں کے تحت تدریسی و اکتسابی سرگرمیوں کے نظام کے لیے تختانوی سطح پر ہفتہ میں ایک پیریڈ، فوقانوی سطح کے لیے ہفتہ میں دو پیریڈ ہیں اور اسی مناسبت سے اسباق ترتیب دیے گئے ہیں۔
- تختانوی سطح پر 12 اہم اقدار کی بنیاد پر 12 اسباق شامل کئے گئے ہیں۔ اسی طرح فوقانوی سطح پر 18 اہم اقدار کی بنیاد پر 18 اسباق شامل کیے گئے ہیں۔
- ان کے علاوہ اقدار کے فروغ میں معاون نظموں، کہانیوں، گیتوں، نغموں کو زائد طور پر شامل کیا گیا ہے۔ جماعت سے سوم سے ممتاز شخصیتوں کو بھی شامل کیا گیا ہے۔
- ایک سبق میں مضمون کی ترتیب حسب ذیل ہوگی۔
- ☆ سبق کا نام ☆ اہم قدر ☆ ذیلی قدر ☆ متوقع نتائج/ مقاصد ☆ تمہید/ مضمون/ واقعات/ بیانیے ☆ مشقیں- سوچنا- ردعمل ظاہر کرنا :جماعت کا مشغلہ گروہی کام: عمل کرنا- تجربہ بیان کرنا ☆ قول
- اقدار کی تعلیم اور حیاتی مہارتوں سے تعلق رکھنے والے نکات خاص طور پر مباحثہ کے لیے ہیں۔ ان پر عمل کرتے ہوئے تجربات کے تبادلہ خیال کو اہمیت دی گئی ہے۔ لہذا جہاں تک ہو سکے انہیں لکھانے کی کوشش نہ کی جائے۔
- سوچنا- ردعمل ظاہر کرنا: کے تحت دیے گئے سوالوں کے ذریعہ کمرہ جماعت میں مباحثہ کا اہتمام کریں۔ مابعد کمرہ جماعت کا مشغلہ- گروہی کام کروائیں اسی طرح عمل کیجیے۔ تجربات بیان کیجیے کے تحت دیے گئے امور پر عمل آوری کرواتے ہوئے بچوں سے ان کے تجربات اور احساسات بیان کروائیں۔
- دیگر مضامین کی طرح اقدار کی تعلیم- حیاتی مہارتیں کی بھی جانچ کی جائے۔ ان کی جانچ مجموعی جانچ کی طرح کی جائے۔ یعنی ایک تعلیمی سال میں تین مرتبہ جانچ کرنی ہوگی۔ اس کے لیے امتحانات منعقد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بچوں کا مشاہدہ کرتے ہوئے ان کے تجربات، اطلاق، چال چلن، اقدار وغیرہ کی بنیاد پر جانچ کی جائے۔

- ان کی جانچ 50 نشانات پر مشتمل ہوگی۔ اقدار کی تعلیم۔ مہارتیں کی بنیاد پر بچوں میں تعلیمی معیار کو فروغ دیں وہ اس طرح ہیں۔
- (1) اچھے اور برے کی تمیز کرنا، اچھے کردار کے حامل ہونا (2) دستوری اصولوں پر عمل کرنا (3) شخصی اقدار یعنی قوت برداشت، رحمدلی، یگانگت وغیرہ کے حامل ہونا (4) حیاتی مہارتوں کے حامل ہونا (5) اساتذہ، بزرگوں، سماج اور حکومت کے تین مناسب رویہ کے حامل ہونا (6) مذکورہ بالا تعلیمی معیار کا جائزہ متعلقہ اسباق سے لیا جاپان کے حصول کو مد نظر رکھتے ہوئے اہم اقدار سے متعلق اسباق جماعت واری دئے گئے ہیں۔ ایک استعداد کے لیے 10 نشانات کے حساب سے 50 نشانات کے لیے جانچ منعقد کریں۔

- بچوں کی ترقی کا جائزہ لے کر گریڈنگ درج کریں۔

91%	-	A1
71% - 90%	-	A2
51% - 70%	-	B1
41% - 50%	-	B2
0% - 40%	-	C

- بچوں کی ترقی کی گریڈنگ درج کرتے وقت ان سے متعلق کیفیت بھی درج کریں۔

- تدریسی واکتسابی سرگرمیوں کے اہتمام کا طریقہ۔ تھانوی سطح

- تمہید سے واقف کروائیں۔

پہلا پیریڈ

- سبق سے متعلق مناظر یا حالات/واقعات/بیانے کسی ایک سے پڑھوائیں یا کہلوائیں۔

- سوچے۔ رد عمل ظاہر کیجیے کے تحت دیے گئے سوالوں کی بنیاد پر کمرہ جماعت میں مباحثہ منعقد کریں۔

- جالیے سے متعلق مواد کے بارے میں بچوں کو بتلائیں یا کسی ایک سے پڑھوائیں۔ مباحثہ کے ذریعہ فہم پہنچائیں۔

- کمرہ جماعت کا مشغلہ۔ گروہی کام کے لیے بچوں کو گروہی طور پر تقسیم کریں۔ ہر گروپ کے کام کا مظاہرہ کروائیں۔

- عمل کیجیے۔ تجربات بیان کیجیے سے متعلق امور پر عمل آوری گھر میں کرنے کے لیے کہیں۔

- کتاب کے آخر میں ضمیرہ کے تحت شامل کی گئیں کہانیوں/نغموں/نظموں/احادیث/ممتاز شخصیتوں کے بارے میں بچوں

تیسرا پیریڈ

- سے کمرہ جماعت میں پڑھوائیں اور مباحثہ کے ذریعہ فہم پہنچائیں۔

- اس کے بعد عمل کیجیے۔ تجربات بیان کیجیے سے متعلق ایک ایک طالب علم سے گفتگو کروائیں۔

- سبق کے آخر میں دیے گئے قول سے واقف کروائیں۔

- اسکولوں میں اقدار کی تعلیم، حیاتی مہارتیں کی کتابیں بچوں کو بھی دی جاسکتی ہیں۔ لائبریری پیریڈ یا نظہرانے کے درمیان بچوں کو مطالعہ کے لیے یہ کتابیں دی جاسکتی ہیں۔

- اقدار کی تعلیم۔ حیاتی مہارتیں کے تحت دیے گئے مناظر یا حالات، واقعات، اقوال، نظمیں، احادیث، کہانیاں، ممتاز شخصیتوں سے متعلق مزید نکات حاصل کر کے بچوں کو واقف کروا سکتے ہیں اور ان کی بنیاد پر مباحثے، گروہی کام، عمل کیجیے۔ تجربات بیان کیجیے وغیرہ کا اہتمام کیا جاسکتا ہے۔

- اسکول کی لائبریری میں موجود کتابوں، میگزینوں اخباروں وغیرہ کا استعمال کیا جاسکتا ہے۔

- طلباء کے لیے ہدایتیں بھی دی گئیں ہیں۔ ان ہدایتوں کو پہلے پیریڈ میں پڑھ کر سنائیں اور ان کے بارے میں سمجھائیں ان کے مطابق بچوں کو عمل کرنے والا بنائیں۔

طلبا کے لیے ہدایات

- ☆ پیارے بچو! ”اقداری تعلیم، حیاتی مہارتیں، نامی یہ کتاب آپ ہی کے لیے مرتب کی گئی ہے۔
- ☆ ان میں موجود اسباق، نظمیں، کہانیاں، اقوال زین، رہنماؤں سے متعلق آپ کے اساتذہ آپ کو بتلائیں گے یا پھر آپ خود پڑھیں، دوسروں کو بتائیں اور ان سے گفتگو کریں۔
- ☆ ہفتہ میں ایک دن اس کی تدریس کی جائے گی۔
- ☆ معلم کسی ایک عنوان کے پس منظر واقعہ کے عنوان کے مطابق طلباء میں کوئی ایک طالب علم پڑھنے کے بعد چند سوالات پوچھے گا، آپ ان سوالات کے جواب سوچ کر دیجئے اور بحث میں حصہ لیجئے۔
- ☆ کمرہ جماعت میں گروہی مشاغل کا انعقاد ہوگا۔ آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مشاغل میں حصہ لیجئے۔ اپنے گفتگو کردہ نکات کمرہ جماعت میں بیان کیجئے۔
- ☆ عنوان کے تحت آپ کو کام تفویض کئے جائیں گے، تفویض کردہ کام کیجئے۔
- ☆ اس کے بعد والے پہرے کو کیا کیا گیا؟ آپ کو کیسا محسوس ہوا؟ اس سے آپ نے کیا سیکھا؟ وغیرہ اور اپنے تجربات بیان کیجئے۔
- ☆ اس کے تحت زیادہ تر نکات انجام دینے اور بیان کرنے کیلئے رکھے گئے۔ ان کو لکھنے کی کوشش نہ کریں۔
- ☆ آپ کو معلوم کردہ مباحث کردہ نکات کی بنیاد پر اخبارات، رسالوں کا مطالعہ کیجئے۔ ان کے ذریعہ جمع کردہ عنوانات، خبریں، اقوال زین وغیرہ کو کمرہ جماعت میں پڑھ کر سنائیں۔ اس کے بعد ان کو دیواری رسالہ پر چسپاں کریں۔
- ☆ ان نکات کی بھی جانچ ہوگی۔ لیکن ان کے امتحان ہوں گے۔ آپ کی ان سرگرمیوں میں شمولیت کیسی ہے؟
- ☆ آپ کا برتاؤ کیسا ہے؟ آپ میں کیا تبدیلی واقع ہوئی ہے؟ وغیرہ نکات کا آپ کے اساتذہ جائزہ لے کر نشانات دیں گے۔ اس کی بنیاد پر آپ کو گریڈ تک دی جائے گی۔
- ☆ اس طرح تعلیمی سال میں تین مرتبہ آپ کی جانچ ہوگی اور اندراج ہوگا۔ پہلا مجموعی، دوسرا مجموعی اور تیسرا مجموعی جانچ کے علاوہ آپ کی سرگرمیوں سے متعلق جائزہ لے کر آپ کی ترقی کا اندراج کیا جائے گا۔
- ☆ جماعت دہم کے میمورسٹیفکٹ میں بھی ان کی تفصیلات درج ہوں گی۔
- ☆ پکوان کتنا بہترین کیوں نہ ہو اس میں اگر ایک چٹکی نمک نہ ہو تو ذائقہ حاصل نہ ہوگا۔ اس طرح ہم چاہے کتنی بھی تعلیم حاصل کر لیں، کونسا بھی گریڈ حاصل کر لیں، اگر ہم میں ادب و احترام، قوت برداشت، حیا اور امتیاز نہ ہو تو ہماری قدر نہ ہوگی۔ لہذا اقداری تعلیم، حیاتیاتی تعلیم کے اسباق کے ذریعہ آپ ترقی حاصل کریں۔

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عنوان سبق	سکھائے جانے والی قدر	اہم قدر	سلسلہ نشان
1	حقوق نسوان	خواتین۔ آزادی۔ خواتین سے متعلق قوانین	آزادی	1
6	یکسوئی	یکسوئی کامیابی کی ضامن	یکسوئی	2
11	خود اعتمادی	خود اعتمادی کا حامل ہونا	کردار سازی	3
17	جذباتی مہارتیں	جذباتی مہارتیں، دباؤ پر قابو پانی جیت اور ہار کو یکساں طور پر قبول کرنا	حیاتی مہارتیں	4
26	ہماری وراثت	وراثت کی بقا	ذمہ داری ادا کرنا فرائض کی انجام دہی	5
29	دکھلاوا	دکھلاوے اور بے جا شان و شوکت سے پرہیز	بچت کی ضرورت	6
34	ابتدائی طبی امداد	ابتدائی طبی امداد سے واقفیت	صحت کے اقدار	7
47	بنی نوع آدم	بنی نوع کا تصور	تہذیب و ثقافت کی قدر دانی	8
53	حیاتی تنوع	حیاتی تنوع کا تحفظ	ماحول کا تحفظ	9

59	سماج، سائنسی ترقی	علم سائنس کی سماجی ذمہ داری ہوتی	سائنسی انداز فکر	10
64	قوانین	قوانین سے متعلق کم سے کم معلومات رکھنا	انصاف	11
72	امن	عالمی امن	امن، عدم تشدد پرکشش احساس	12
77	محنت کی کامیابی	محنت ہی کامیابی ہے	محنت کی قدر	13
84	سماجی خدمت	عوام کی غیر معمولی خدمات	جذبہ خدمت	14
90	خواتین کی عزت و قدر	خواتین کی قدر دانی کا تصور	مساوات، بھائی چارگی، خواتین کی قدر دانی	15
95	ہندوستان کی ترقی	ملک کی ترقی ناموری عزت کرنا	وطنیت حب الوطن	16
105	مذہبی احترام	تمام مذاہب کا احترام کرنا	سیکولرزم مذہبی رواداری	17
109	بدعنوانی کا تدارک	بدعنوانی سے پاک سماج کی تشکیل	جمہوری اقدار کا احترام	18

ضمیمہ

- | | |
|-----------------|------------|
| 1- احادیث | 2- رباعیات |
| 3- نظم رگیت | 4- کہانیاں |
| 5- ممتاز شخصیات | |

آزادی نسواں

- I- اہم قدر : آزادی
- II- ذیلی قدر : خواتین، آزادی، خواتین کے تحفظ سے متعلق قوانین
- III- مطلوبہ نتائج: خواتین اپنے حقوق کو جانیں گے
- IV- تمہید :

جہاں پر خواتین کو عزت نہیں دی جاتی۔ ان کا احترام نہیں کیا جاتا وہ ملک رو بہ زوال ہو جائے گا۔ اسلام وہ مذہب ہے جس نے خواتین کو مکمل اختیارات، آزادی اور حقوق ادا کئے ہیں۔ خواتین کو مکمل حقوق دینے اور باختیار بنانے سے سماج میں جہاں پر مساوات واقع ہوگی وہیں پر سماج میں اقدار پیدا ہوں گے۔ ہمارے ملک میں بھی خواتین کو کافی حقوق اور اختیارات دیئے گئے ہیں لیکن اس کے باوجود ان حقوق کا اطلاق اور تحفظ نہ ہونے کی وجہ سے خواتین کے ساتھ امتیازی سلوک ہوتا ہوا ہم دیکھ رہے ہیں۔ روئے زمین پر پائے جانے والے ہر جاندار اجسام کو ان کے مطابق اختیارات حاصل ہیں۔ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں ہر جانور کو اتنی آزادی اور تحفظ حاصل تھا کہ شیر اور بکری ایک تالاب پر پانی پیتے تھے۔ زیورات سے لدی ہوئی خواتین ایک مقام سے دوسرے مقام کو باسانی اور بلا خوف و خطر سفر کرتی تھیں۔ لیکن آج کے دور میں کیا یہ ممکن ہے؟ کیا تنہا خواتین آدھی رات کو بلا خوف و خطر سفر کر سکتی ہیں۔ گاندھی جی نے کہا تھا کہ جس وقت آدھی رات کو تنہا خاتون بلا کسی خوف کے سفر کر سکے تب ہی حقیقی معنوں میں ہمارا ملک آزاد ہوگا۔ کیا آج یہ ممکن ہے۔ اگر نہیں تو اس کے ذمہ دار کون ہوں گے؟



۷: موضوع

واقعہ نمبر-1:

سڑک پر چند لڑکیاں جا رہی ہے۔ چنداوباش لڑکے گاڑی پر ان کا پیچھا کر رہے ہیں۔ ان پر فقرے کسے جا رہے ہیں۔ لڑکیاں ڈر اور خوف کے ساتھ سر جھکا کر خاموش جا رہی ہیں۔ وہ کسی مسیحا کی تلاش میں ادھر ادھر پر امیدنگا ہوں سے دیکھ رہے ہیں اور ان لڑکوں کو کوس رہی ہیں کہ وہ ایسی حرکت کیوں کر رہے ہیں۔

واقعہ نمبر-2:-

خراب کھانے کی شکایت کرتے ہوئے شوہر نے کھانے کے برتن کو بیوی کے منہ پر مارا جس سے بیوی زخمی ہو گئی اور سر سے خون جاری ہو گیا۔

واقعہ نمبر-3:-

بلا اجازت گھر سے باہر جانے اور اطلاع کے بغیر سہلیوں کے گھر جانے پر شیلہ کے والد نے اس کی سرزنش کی اور بلا اجازت گھر سے باہر جانے پر سخت سزا دینے اور دونوں پیر توڑ دینے کی دھمکی دی۔

واقعہ نمبر-4:-

رانی گھر میں کام کرتی ہے۔ صبح میں اٹھ کر سب سے پہلے جھاڑو لگاتی ہے۔ برتن دھوتی ہے۔ کپڑے دھوتی ہے۔ پانی بھرتی ہے۔ سامان کو صحیح ترتیب سے رکھتی ہے۔ غرض صبح بیداری سے لے کر سونے تک کام میں ہی مشغول رہتی ہے۔ لیکن بیچاری رانی کے اس کام کی کوئی قدر نہیں۔

واقعہ نمبر-5:-

پدما جماعت دہم کی کامیابی کے بعد اپنی تعلیم کو جاری رکھنے کے لئے مضمون ریاضی لینا چاہا اور انجینئر بننے کی تمنا ظاہر کی۔ پدما کے والد نے سختی سے منع کرتے ہوئے کہا کہ لڑکی ہونے کے ناطے سائنس لے کر زسنگ کا کورس



مکمل کرو اور نرس کی خدمات انجام دو۔ والد نے حتمی فیصلہ سنایا کہ تمہیں BIPC ہی لینا ہے۔

واقعہ نمبر 6:-

جماعت دہم کی طالبہ آشنا نے اپنی والدہ سے گزارش کی کہ امی جان! آپ مجھے پڑوس کے گھر اشیاء لانے کیلئے مت بھیجئے۔ چون کہ پڑوسی انکل مجھے چھتھی نظروں سے دیکھتے ہیں اور مجھ سے نامناسب انداز میں گفتگو کرتے ہیں۔ میں کافی گھبراہٹ کا شکار ہو جاتی ہوں اور کافی عدم تحفظ کا شکار محسوس کرتی ہوں۔

VI: غور کرنا - رد عمل کا اظہار کرنا

- 1- جی ہاں! چند ایسے افراد ہوتے ہیں جو لڑکیوں کو چھیڑ چھاڑ کرتے ہوئے رونے پر مجبور کرتے ہیں۔ انہیں اس طرح رلانے پر لڑکیاں کس طرح پریشانی سے دوچار ہوتی ہیں۔ اس طرح کے حالات دیکھیں گے تب آپ کیا کریں گے؟
- 2- عام طور پر گھریلو جھگڑوں مارکھانا، بری باتیں سننا (گالیاں سننا) جیسے واقعات دیکھتے رہتے ہیں کیا اس طرح لڑکیوں کو اذیت دینا مناسب ہے؟ کیوں؟
- 3- لڑکیوں پر مختلف پابندیاں عائد کی جائیں تو انہیں کیسا محسوس ہوگا؟ کیا یہ درست ہے؟ گھر کے بڑے افراد اس طرح کی پابندیاں عائد کرنے کی کیا وجوہات ہیں۔
- 4- بعض گھروں میں خواتین کے لئے آرام کا بالکل موقع نہیں ملتا کیا انہیں آرام کرنے کی آزادی ہوتی ہے یا نہیں اس پر آپ کے خیالات ظاہر کریں۔
- 5- لڑکیوں کے سیکھنے اور لکھنے میں کچھ خواہشات ہوتی ہیں ان کی خواہشات کو کتنے لوگ (والدین) احترام کرتے ہیں؟ آپ کے مشاہدات بتائیے۔
- 6- آج کل سماج ر معاشرہ میں لڑکیوں اور خواتین پر جنسی حملے عام بات ہو چکی ہے۔ کیا آپ اس بات سے متفق ہیں کس طرح؟



۷۔ کیا لڑکیاں آزادی سے رہ پارہی ہیں؟ وہ کیا وجوہات ہیں جو ان کی آزادی میں رکاوٹ کا باعث ہیں۔

۸۔ خواتین کے تحفظ کی ذمہ دار کون ہونا چاہئے؟

(ب) عمل کرنا۔ تجربات بیان کرنا

☆ آپ اپنے گھر، اطراف و اکناف کے خاندانوں میں خواتین کو کہاں پر آزادی مل رہی ہے اور کہاں پر نہیں مل رہی ہے۔

..... چاہیے.....

خواتین پر روز افزوں ظلم و زیادتی کے واقعات میں اضافے کے تدارک کے لئے اور خواتین کے حقوق کے تحفظ کے لئے گذشتہ کئی برسوں سے قوانین بنائے گئے ہیں، لیکن ان قوانین پر مناسب عمل آوری نہیں ہو رہی ہے۔ اس طرح خواتین پر ظلم و ستم اور ہراسانی کے واقعات میں قابل لحاظ کمی واقع ہوگی۔

سماج، مردوں کے تسلط میں ہونے کی وجہ سے ان قوانین پر عمل آوری میں رکاوٹ ہو رہی ہے۔ لیکن موجودہ حالات میں کچھ نہ کچھ حد تک ان قوانین پر عمل آوری ہو رہی ہے۔ ہندوستانی دستور کا ہر پہلو خواتین کو اہمیت دیتے ہوئے مرتب کیا گیا ہے۔ اس سے تمام شہری خاص کر خواتین کو مکمل واقفیت کا ہونا ضروری ہے۔ آئیے چند قوانین سے واقفیت حاصل کریں گے۔

خواتین سے متعلق قوانین۔ سماجی برائیاں

☆ گھریلو تشدد، خاندانی تشدد:-

خاندانی تشدد کے شکار خواتین کو تعزیرات ہند کے تحت فوجداری مقدمہ کے ذریعہ انصاف کے مواقع ہیں۔ لیکن یہ بھی جرم کے ارتکاب کے بعد ہی مقدمہ ممکن ہے۔ گھریلو تشدد کے تدارک کیلئے خواتین کو تحفظ دینے کے لئے، گھریلو تشدد سے تحفظ 2005 قانون کے تحت چند ہدایات ذیل میں دیئے گئے ہیں۔

●● شوہر اپنی بیوی کو گھر سے بے گھر نہیں کر سکتا۔ شوہر کے گھر پر ہی گذر بسر کر سکتی ہے۔



- عدالت کو یہ اختیار ہے کہ وہ شوہر کو حکم دے کہ گھر کا کچھ حصہ بیوی کے لئے تفویض کرے۔
- شوہر بیوی کو ناامید یا مایوس نہیں کر سکتا۔
- عورت کی جسمانی محنت کے عوض نقصان کی پابجائی کے لئے جرمانہ عائد کیا جاسکتا ہے۔

☆ فوجداری جرائم، عصمت ریزی:-

آج کے ترقی پسند سماج میں خواتین کی عصمت ریزی کے واقعات میں اضافہ ہو گیا ہے۔ ملک کے دارالحکومت دہلی میں نرہیے نامی میڈیکل کی طالبہ کے ساتھ جو اجتماعی عصمت ریزی کا واقعہ ہوا، اس نے کئی دلوں کو دہلا دیا ہے۔ اس واقعہ پر عوامی احتجاج کے نتیجہ میں حکومت نے خواتین کے تحفظ اور اس طرح کے عصمت ریزی کے واقعات کے تدارک کے لئے ”نرہیے قانون“ بنایا ہے۔ جس کے تحت جرم ثابت ہونے پر نہ صرف بلکہ پھانسی کی سزا بھی دی جاسکتی ہے۔

☆ احترام نسواں میں رکاوٹ:-

خواتین کو مارنا، مجرمانہ حملہ اور طاقت کا استعمال کرنا، ان کے احترام رعزت میں رکاوٹ بننے کا موجب تصور ہوگا اور یہ جرم تصور کیا جائے گا۔ خواتین کے تحفظ کے لئے کتنے ہی قوانین مرتب کئے جائیں گے۔ ان قوانین سے متعلق خواتین کو مکمل آگاہ کرنا یہ ہم سب کی سماجی ذمہ داری ہے۔

اقوال زرین

مرد حضرات جس آزادانہ ماحول سے مستفید ہوتے ہیں اپنے دوست کے ساتھ من چاہے مقامات کو تنہا جانا، اور چاندنی راتوں میں اکیلے محلوں میں گھومنا پھرنا۔ سوچئے! کیا ایسے مواقع خواتین کو کس حد تک میسر ہیں۔



انہماک (Concentration)

I۔ اہم قدر : انہماک

II۔ ذیلی قدر : کامیابی کی ضامن

III۔ مطلوبہ نتائج:

انہماک کی اہمیت کو جاننی ہوگی۔ کسی بھی کام کو انہماک کے ساتھ کیا جانا چاہئے۔ اس کا فہم حاصل کریں گے۔

IV۔ تمہید :

کامیابی کا راز انہماک میں ہی پوشیدہ ہے۔ کسی بھی کام میں حاصل کرنے کے لیے انہماک ضروری ہے۔ انہماک سے کیا جانے والا کام جلد از جلد مکمل ہو جائے گا۔ طلباء کو تعلیمی کامیابی کے لئے بھی انہماک بے حد ضروری ہے۔ اس لیے انہماک کی ضرورت اور اس میں اضافہ کے لیے ضروری موضوعات سے متعلق طلباء میں فہم اجاگر کرنا۔

V۔ موضوع :

موضوع 1:

صابر اور شاکر دونوں پڑوسی ہیں جو کہ جماعت دہم کے طالب علم ہیں۔ دونوں بھی ذہین ہیں۔ صابر ہمیشہ پڑھتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ پڑھائی کے دوران پانی پینے، کھانے اور ضرورت کے لیے اٹھتا ہے۔ مستقل بیٹھا ہوا نہیں ہوتا۔ لیکن پڑھائی میں زیادہ وقت صرف کرتا ہے۔ شاکر زیادہ وقت پڑھائی کے لئے نہیں دیتا۔ جتنی دیر پڑھنا ہے پورے انہماک اور دلچسپی سے نہیں پڑھتا۔ پڑھائی میں کم وقت دینے کے باوجود شاکر ہی ہمیشہ پہلی پوزیشن حاصل کر لیتا ہے۔



2- موضوع:

جماعت دہم کے سالانہ امتحانات چل رہے ہیں۔ تمام بچے پورے انہماک سے امتحان لکھنے میں مشغول ہیں۔ اس دوران اسکول کی متصلہ عمارت میں شادیانے بجائے جارہے ہیں۔ امتحانات لکھنے والے اعفان ان گانوں کو سنتے ہوئے امتحانات صحیح طور پر نہیں لکھ پایا۔

موضوع 3:

شاذیہ کو اگلے دن EAMCET امتحان لکھنا ہے۔ شام کو ان کے خالو معہ اہل و عیال گھر تشریف لاتے ہیں۔ تمام بچے گھر کے صحن میں شور شرابہ کرتے ہوئے کھیل کود میں مصروف ہیں۔ لیکن شاذیہ ان تمام باتوں سے لاتعلق ہو کر اپنے کمرہ میں امتحان کی تیاری کر رہی ہے۔ بچوں کا شور وغل شاذیہ کی تیاری اور انہماک میں رکاوٹ نہیں بن رہا ہے۔

VI: غور کرنا - ردعمل کا اظہار کرنا

- 1- موضوع 1 میں شاذیہ کو زیادہ نشانات حاصل ہوتے ہیں۔ کیوں؟
- 2- موضوع 2 میں کیا اعفان کا کیا گیا کام مناسب ہے؟ اس کے اس طرح کرنے کی کیا وجوہات ہیں؟
- 3- موضوع 3 میں شاذیہ اپنے خالہ زاد بھائی بہنوں کے ساتھ کیوں نہیں کھیل رہی ہے؟ کیا اس کا ایسا کرنا درست ہے؟
- 4- انہماک کیوں ضروری ہے؟ اگر کوئی کام انہماک کے بغیر کیا جائے تو کیا ہوگا؟
- 5- آپ نے کئی موقعوں پر انہماک کھویا ہے؟ آپ نے دوبارہ کس طرح انہماک حاصل کیا؟

(ب) عمل کرنا- تجربات بیان کرنا

ذیل میں ایک کام کا انتخاب کر کے پورے انہماک سے اس کام کو انجام دیجئے۔

- ۱۔ کتابی مطالعہ۔ روئیداد پیش کرنا
- ۲۔ ریڈیو ٹیلی ویژن سے خبریں سننا۔ روئیداد پیش کرنا
- ۳۔ ٹیلی ویژن پر ہوئی گفتگو اور مباحثہ اپنے الفاظ میں تحریر کرنا۔
- ۴۔ کوئی ایک کام سیکھنا۔ تصویریں بنانا نمونے بنانا کشیدہ کاری وغیرہ۔ اس دوران کیا آپ نے کبھی انہماک کھویا ہے؟ پھر آپ نے انہماک کس طرح حاصل کیا؟ انہماک حاصل کرنے کے بعد آپ نے کیا حاصل کیا؟ اپنے تجربات تحریر کیجئے۔

..... جائیے

انہماک کا راز:

کامیابی دراصل انہماک میں پوشیدہ ہے اور اس کے واقف کار ہی کو اہل علم کہا جاتا ہے۔ طالب علم اگر اپنی تعلیم میں کامیابی چاہتے ہوں تو انہماک کی ضرورت ہوگی۔ اس طرح مختلف پیشوں سے وابستہ ملازمین کے لئے بھی انہماک ضروری ہے۔ حفظ کے طالب علم، ذکر کرنے والے داکر اور مصلین میں انہماک اندرونی طور پر موجودگی کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ کمہار، لوہار، سونار، بڑھئی، جولائی، جام وغیرہ کے کام کرنے والوں کیلئے بھی انہماک بہت ضروری ہے۔ اگر لوہار ہتھوڑی سے کسی حصہ پر ضرب لگاتے وقت اپنی توجہ کھودے تب وہ ضرب ہاتھ پر لگے گی اور وہ زخمی ہو جائے گا۔ اسی طرح جام اگر اصلاح کے دوران ہتھوڑی سے بھی غفلت برتے تب اس کے ہاتھ سے قینچی چھوٹ کر گرنے کا اندیشہ رہے گا جس سے جلد کٹ کر خون بہے گا۔ سونار کے کام میں انہماک کی ضرورت سے بھی آپ سب واقف ہیں۔ اس طرح حفاظ کرام، ذاکران اور اساتذہ صاحبین کے لئے بھی انہماک اور توجہ کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ ورنہ خاطر خواہ نتائج برآمد نہ ہوں گے۔ ان تمام میدانوں میں انہماک کو برقرار رکھنے مدد حاصل کرنے کے لئے مسلسل جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔

من بڑا چنچل ہوتا ہے۔ ہر معاملہ میں مداخلت کسی ایک موضوع سے دوسرے موضوع پر آنا، عجیب



خواہشات رکھنا، ہزاروں موضوعات کے مطابق سوچنا، کئی مسائل کے مطابق اظہار کرنا، ہوائی قلعے بنانا، تفویض کردہ کام کو چھوڑ کر باقی تمام کام میں دلچسپی لینا انسانی فطرت میں شامل ہے۔ ماحول اس فطرت انسانی کو مزید بڑھا دیتا ہے۔ دل کو قابو میں رکھنے کے لئے دل کو منتشر کرنے والے ماحول سے دوری اختیار کرنا چاہئے۔

دل اگر قابو میں آجائے تب سارے مقاصد کا حصول ممکن ہے۔ اگر وہی دل قابو میں نہ ہو تو معمولی کام بھی ناممکن بن جاتا ہے۔ ہمارے اندر غیر معمولی قوت موجود ہوتی ہے۔ جس کو ہم ضروری اور غیر ضروری دونوں قسم کے کاموں میں صرف کر رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے ہم معمولی کام کے علاوہ دیگر کوئی بھی کام کرنے سے قاصر ہیں۔ مشکل افعال کو انجام دینے کے لئے دل کی منتشر قوتوں کو ترتیب میں ڈھالیں۔

ہمارا دل اگر ہمارے قابو میں ہو تب ہی ہم کوئی بھی کام بہتر طور پر انجام دے سکتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ کے مطابق انہماک سے بھرپور دل حقیقت میں ایک تحقیقی روشنی کی طرح ہے جو کہ کہیں اور اندھیرے کو نے میں بکھری ہوئی اشیاء کو بھی قابل نظر بناتی ہے۔

طلباء اپنے دل کو پڑھائی میں کس طرح مگن کریں ان امور کی مدد سے جانیں گے۔

۱۔ ہر طالب علم کتابیں لے کر اطمینان سے پڑھنے کے لئے ایسے مقام کا تعین کرے جہاں پر تمام سہولیات دستیاب رہی۔

۲۔ مقررہ وقت میں کسی ایک کام کو لے کر اس پر محنت کریں۔ پڑھے جانے والے عنوانات سے متعلق بنیادی معلومات کا علم ہونا ضروری ہے۔

۳۔ مطالعہ شروع کرنے کے بعد اسی تسلسل میں آگے بڑھتے جائیں تب مطالعہ گہرا ہوتا جائے گا۔ مطالعہ اگر درمیان میں روک دیا جائے تب انہماک رتوجہ بھٹک جاتی ہے، تعلیم متاثر ہوتی ہے۔ اسی لئے دل کی یکسوئی کے ساتھ مطالعہ کو وسیع و گہرا بنا کر رہنا چاہئے۔

۴۔ طلباء اگر تابناک مستقبل اور بہترین تعلیم حاصل کرنا چاہیں اس کے لئے تعلیم میں منہمک رہیں اور انہماک پیدا کریں۔



- ۵۔ مطالعہ کئے جانے والے نکات سے متعلق مکمل دلچسپی کا اظہار کے ذریعہ انہماک پیدا کیا جاسکتا ہے۔
- ۶۔ ہر طالب علم میں وسیع علم حاصل کرنے کی پوشیدہ صلاحیت موجود ہوتی ہے۔
- ۷۔ احتیاط سے مطالعہ کرتے ہوئے ہی اپنی معلومات میں ضرور بہ ضرور اضافہ کروں گا۔ اس کا تعین رکھتے ہوئے مطالعہ میں مشغول ہونا چاہئے۔
- ۸۔ تعلیم کے تئیں دلچسپی کو پروان چڑھانا چاہیے۔ دلچسپی کے ذریعہ حاصل ہونے والی توجہ انہماک فطری ہوتی ہے۔ اس میں کسی بھی قسم کی زبردستی یا دباؤ کی گنجائش نہیں ہے۔
- ۹۔ طلباء مطالعہ کرتے وقت نفس مضمون کو سمجھتے ہوئے پڑھنا چاہئے۔ بغیر سمجھے مطالعہ کرنے سے گریز کرنا چاہئے۔ نامعلوم موضوعات سے متعلق اپنے ساتھیوں، بڑوں، اساتذہ سے گفتگو کر کے ان کو سمجھ کر مطالعہ کو جاری رکھنا چاہئے۔
- طالب علم چاہے کتنا عقلمند، ہوشیا کیوں نہ ہو! محنت اور کوشش کے بغیر کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتا۔ مقصد ر منزل کا تعین کر کے پوری دلچسپی کے ساتھ مسلسل جدوجہد کرنے پر ہی کامیابی حاصل ہوگی۔



خود اعتمادی

- I۔ اہم قدر : کردار سازی
- II۔ : خود اعتمادی
- III۔ مطلوبہ نتائج : خود اعتمادی کے حامل ہوتے ہیں۔
خود اعتمادی کے ساتھ برتاؤ کرتے ہیں۔

IV۔ تمہید:

ہر فرد خود پر اعتماد کو پروان چڑھانا چاہئے۔ اپنے آپ پر اعتماد بڑھانے سے درپیش تکلیفیں اور رکاوٹیں کم ہوتی جاتی ہیں۔ انسان میں پائی جانے والی سب سے اہم اور لازمی خصوصیت اعتماد ہی ہے۔ ہمیں اپنے آپ پر بھروسہ ہو تو ہم کچھ بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ خود اعتمادی ہم میں ذمہ داری، جوش اور ولولہ کو بڑھاتی ہے۔ ہم میں خود اعتمادی پیدا کرنے کیلئے غم، ماتم اور اپنے آپ کو کوسنے والی چیزوں سے اجتناب کرنا چاہئے اپنی استعداد کو پروان چڑھانا چاہئے۔ اگر ہم میں استعداد صلاحیت نہ ہو تو خود اعتمادی پیدا نہیں ہوتی۔

V۔ موضوع

اہم کام اچانک تکمیل نہیں پاتے۔ یہ مسلسل جدوجہد و محنت کے بعد ہی تکمیل پاتے ہیں۔ وہ افراد جن کی زندگی میں خود اعتمادی ہوتی ہے وہ جو چاہتے ہیں حاصل کر لیتے ہیں۔

واقعہ نمبر 2:

ابراہم لنکن نے بھی اپنی زندگی میں کئی ناکامیاں دیکھی ہیں، 27 سال کی عمر میں وہ اعصابی کمزوری کا شکار ہوا۔ 46 سالہ عمر میں سنیٹ کے لئے مقابلہ کیا لیکن ہار گیا۔ 47 ویں سال میں اس نے نائب صدر کے لئے مقابلہ کیا تب بھی ہار کا سامنا کیا۔ اتنی ناکامیوں کے باوجود اس کی خود اعتمادی کبھی متزلزل نہیں ہوئی۔ 52 سال کی عمر میں وہ امریکہ کا صدر بن گیا۔

واقعہ نمبر 3:-

آفرین اپنے باغ میں پھول کے پودے لگانا چاہتی ہے۔ وہ اپنے انکل کے پاس جا کر پوچھا کہ کیا آپ کو باغبانی کا تجربہ ہے؟

باغبانی کا کوئی خاص تجربہ تو نہیں ہے لیکن پودوں کی ہیئت سے متعلق کچھ تجربات کرنے کا تجربہ ہے۔ اس نے تفصیلات اس طرح بتلائی کہ ایک باغ میں شکر کدو کے 10 پودوں کو انتخاب کیا ان میں سے پانچ پودوں کو میں نے چھوٹے چھوٹے کنڈوں میں رکھ دیئے۔ ایک ہفت کے بعد میں نے دیکھا کہ مختلف جسامت اور ہیئت کے شکر کدو لگے ہوئے ہیں۔ کنڈیاں لگائے گئے پودے پر لگے ہوئے شکر کدو بالکل چھوٹی جسامت کے ہیں جب کہ باہر رکھے ہوئے پودوں پر کافی بڑے بڑے شکر کدو لگے ہوئے ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ کنڈی کی وجہ سے وہ پھل پھلنے پھولنے سے قاصر تھے۔ باقی کے پانچ کافی بڑی جسامت کے تھے۔ میں نے کنڈی کو چھوڑ دیا۔ پھر ایک ہفتہ بعد کیا دیکھتا ہوں کہ کنڈی کے پانچ پودوں کو لگے ہوئے شکر کدو بھی پوری طرح بڑھ گئے اور پہلے والے پانچ اور کنڈی والے پودوں کے شکر کدو میں کسی قسم کا فرق نہیں کیا جاسکا۔

شکر کدو کے پودے نے ہماری زندگی سے متعلق کتنا بہترین سبق دیا! کیا آپ نے غور کیا؟ پھلوں میں پھلنے اور پھولنے کی خصوصیت پوشیدہ ہے جن پودوں کو کنڈی میں لگایا گیا وہ اپنی صلاحیت کا استعمال نہیں کر سکے اور ٹھٹھر گئے۔ جب ان کی رکاوٹ کو دور کر دیا تو وہ بھی سب سے برابر ہو گئے۔ اس طرح انسان میں بہت سی صلاحیتیں پوشیدہ ہیں لیکن خوف اور احساس کمتری کی وجہ سے اپنی ترقی کو خود ہی محدود کر رہا ہے۔ اس کو دور کرنے



کیلئے خود اعتمادی کا ہونا بے حد ضروری ہے۔ اسلئے خامی اور خوف کو دور کیا جاسکتا ہے۔

موضوع IV:-

عمیر ایک بڑے باغ کا مالک ہے۔ جس میں مختلف اقسام کے پھولوں کے پودے اور پھلوں کے پیڑ ہیں۔ ایک مرتبہ دو بچے اس باغ میں داخل ہو کر پھول اور پھل چرانے لگے۔ باغ کے مالی نے دیکھا اور ان دونوں کو پکڑ لیا۔ اپنے ساتھ باغ میں لے جانے لگا تب وہ دونوں گھبرانے لگے کہ باغ کا مالک کہیں ان کو سخت سزا نہ دے۔ مالی انہیں لے گیا اور سمجھانے کے لئے دو بیٹھے پھل دیئے۔ ٹوٹی ہوئی کنڈیوں کو اور پودوں کو ٹھیک کیا۔ پھل کھانے کے بعد وہ دو بچے مالی کے اس کام میں ہاتھ بٹانے لگے۔

اس کے بعد مالی نے پوچھا: کیوں چوری کی؟ انہوں نے کہا کہ میری ماں بیمار ہے۔ دوائی لینے کے لئے پیسوں کی ضرورت ہے۔ اسی لئے چوری کرنی پڑی۔ یہ سن کر مالی نے ان بچوں کے ہاتھ میں 50 روپے رکھا اور کہا کہ اپنی ماں کے لئے دوائی لالیجئے۔ وہ بچے حیران رہ گئے۔ ”اگر ہم چوری نہیں کرتے تو کیا ہی بہتر ہوتا“ کہنے لگے۔ انہیں یہ احساس ہوا کہ پھولوں کے لئے ہم نے پودوں کو خراب کر دیا۔ یہ سوچتے ہوئے انہیں شرمندگی ہونے لگی۔

بچے مالی سے معافی مانگنے لگے۔ باغ میں کوئی کام دلانے کی التجا کرنے لگے۔ مالی نے پھولوں اور پھل بیچنے کا کام ان بچوں کو سونپ دیا۔ جب بچے جانے لگے تو مالی نے کہا کہ ”محنت کیجئے اور پوری دلچسپی اور خود اعتمادی سے کام کیجئے۔ خدا بھی صرف ان ہی لوگوں کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔

موضوع V:-

کولمبس نے زمین گول ہے، ثابت کرنے کے لئے ”پلٹا“ نامی چھوٹی سی کشتی پر اپنے ساتھیوں کے ساتھ روانہ ہوا۔ سمندر کی لہریں نکرانے سے کشتی خراب ہو گئی۔ اس کے ساتھیوں نے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا۔ کولمبس نے ان کی ہمت افزائی کی اور ان کو ساتھ چلنے کیلئے راغب کیا۔ چند ساتھی ساتھ چلنے کیلئے تیار ہو گئے۔ نریض نامی جزیرہ سے 200 میل مشرق کی سمت ایک مقام پر قطب نما خراب ہو گیا۔ قطب نما کا کائنات شمال کی سمت بتانے سے قاصر تھا۔ گھر سے 2300 میل دور سمندر میں گھر جانے کے باوجود اس نے ہمت نہیں ہاری اور خود اعتمادی سے کام لیا اور آگے بڑھتا رہا۔ آخر کار کامیابی حاصل کر لیا اور 2,10,1492 کو ایک نئی زمین پر قدم رکھا اور کامیابی



کا جھنڈا گاڑ دیا۔

VI: غور کرنا - رد عمل کا اظہار کرنا

- 1- آپ حسب بالا مسائل سے متعلق معلومات حاصل کر چکے ہیں ان پر اپنی رائے پیش کیجئے۔
- 2- خود اعتمادی سے آپ کیا مراد لیتے ہیں؟ کن موقعوں پر خود اعتمادی برقرار رہنی چاہئے؟
- 3- اگر خود اعتمادی نہ ہو تو درپیش حالات کے متعلق بتائیے؟
- 4- خود اعتمادی کو کس طرح فروغ دیا جاسکتا ہے؟
- 5- اپنی مدد آپ کرنے والے کی ہی اللہ تعالیٰ مدد فرماتا ہے۔ آپ کیا مراد لیتے ہیں؟

(ب) عمل کرنا۔ تجربات بیان کرنا

ایک ہفتہ کے دوران آپ خود اعتمادی کے ساتھ کونسے کام انجام دے چکے ہیں۔ آپ کن تجربات سے آگاہ ہوئے ہیں، بیان کیجئے؟

.....جائیے.....

خود اعتمادی

کامیابی حاصل کرنے کے لیے سب سے پہلے خود اعتمادی ضروری ہے۔ جتنا ہم آسان سمجھتے ہیں اتنی آسانی سے حاصل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اس کے لیے چند امور مد نظر ہونے چاہیے۔ یہ نہ ہونے کو احساس کمتری بھی کہتے ہیں۔ دراصل یہ احساس کمتری کیوں آتی ہے۔ کیا وجوہات ہو سکتی ہیں؟ اس پر قابو پانے کے لیے کیا اقدامات ہونے چاہئے؟ جانیں گے۔

میں کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتا کر سکتی ہوں، میں خوبصورت نہیں ہوں۔ میں جب دوسروں کو دیکھتا ہوں تو

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مجھے کچھ بھی نہیں معلوم ہے۔ اسی کو ہی احساس کمتری کہتے ہیں۔ یعنی خود اعتمادی میں کمی۔ کسی بھی کام کی انجام دہی میں خود اعتمادی ہمارا تعاقب کرتی ہے۔ اس کی وجہ گذشتہ کسی کام میں ناکامی ہے۔ آپ خود پر اعتماد کیجئے، یقین رکھیے کہ آپ کوئی بھی کام کر سکتے ہیں اور آپ سے یہ کوئی چھین نہیں سکتا۔ اگر آپ کے ساتھ کوئی سخت انداز/تکلیف دہ اندازہ میں گفتگو کرنے پر انہیں معاف کر دیجئے۔ جس سے انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر آپ کے ساتھی کی اچھی خصوصیات آپ میں نہ ہوں تو اس کے حاصل کرنے کے لیے کیا لائحہ عمل اختیار کیا جائے۔ غور کیجئے۔

لیکن ان سے حسد مت کیجئے۔ **Take it Easy** کو کامیابی کا پہلا زینہ تصور کیجئے۔ ضروری موضوعات کو ذہن نشین کر لیجئے۔ غیر ضروری عنوانات کو چھوڑ دیجئے ورنہ ان کے بارے میں غور کرنے پر دماغ آلودہ ہو جائے گا۔ غیر ضروری موضوعات دماغ میں لائے بغیر اطمینان سے رہیں تب یہ آپ کی پہلی کامیابی ہوگی۔

اگر آپ احساس کمتری کو دور کرنا چاہیں گے تب چاہئے کہ آپ کسی دوسری پرائیمری پر انحصار نہ کریں۔ کیونکہ جب آپ کے پیچھے رسالتھ رہنے والا شخص سے اچانک ساتھ چھوڑ دے تب دباؤ اور احساس کمتری میں مبتلا ہوں گے۔ آپ بغیر کسی دباؤ کے برتاؤ کرنے کی عادت ڈال لیں۔ کسی بھی کام کے کرنے پر اپنے آپ پر اعتماد حاصل کر لیں۔ آپ جن معلومات سے ناواقف ہیں دوسروں سے مدد طلب کر سکتے ہیں۔ لیکن ہمیشہ ایسی ہی عادت نہ ڈال لیں۔ اس لیے سب سے پہلے آپ اس کام کرنے کی شروعات کریں۔ آپ اگر نقصانات سے دوچار ہو رہے ہوں تب آپ سے پہلے والوں سے مشورہ طلب کریں۔ ہر حال میں جیت آپ ہی کی ہوگی۔ کسی بھی کام کے دوران کوئی بھی موجود ہو یا نہ ہو ہم اس کو مکمل کرنے کے قابل ہونا چاہئے تب ہی زندگی میں جیت حاصل ہوگی۔

اس لیے ممکنہ حد تک یہ کوشش کی جائے کہ دوسروں پر انحصار نہ کریں۔ صرف خود پر بھروسہ رکھنا سیکھ لیں اور کام شروع کریں۔ کامیابی کے حصول میں شخصی آمادگی بہت اہم ہوتی ہے۔ سیکھنے کے لیے ہمیشہ تیار رہنا چاہئے۔ کسی بھی میدان میں کامیابی حاصل کئے ہوئے افراد سے بات چیت کرنا، وہ جس مقام کو حاصل کئے ہیں ان کے متعلق جاننا، اور وہ کتنی مصیبتوں سے دوچار ہوئے ہیں جاننا چاہئے۔ ان کے کئی گئی غلطیاں اور تجربات دوسروں کی کامیابی میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ کامیابی حاصل کرنے کے لیے صبر بھی ضروری ہے۔ مسائل کا مقابلہ کرنا اور مختلف نئے طریقوں کے ذریعہ پرانے طریقوں کو الوداع کہتے ہوئے کامیابی کے نزدیک ہو سکتے ہیں۔ صبر کے ساتھ کوشش کی جائے تب بھی کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔



کیا آپ جانتے ہیں!!!!

چیل کی عمر عام طور پر 70 سال ہوتی ہے۔ چیل کی زندگی اگر ہم دیکھیں تو حیرت ہوتی ہے۔ اس کی عمر 40 سال ہونے پر وہ کئی ایک مسائل کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس وقت اس کے پاس دو ہی راستے ہوتے ہیں۔ مرجائے یا پھر کافی سخت ان مسائل کے ساتھ 150 دن گزارے۔ چیل 40 سال کی عمر میں ان مسائل کا شکار ہوتی ہے۔

☆ لمبی جم دارنو کیلی چوئج رگڑ اور گھسنے کی وجہ سے چوئج جھک جاتی ہے۔

☆ چوئج لمبی اور جھکی ہوئی ہونے کی وجہ سے آسانی سے غذا حاصل کرنے اور غذا چھیننے کی صفت پوری طرح زائل ہو جائے گی۔

☆ عمر کی وجہ سے اس کے پر اور پنکھ دل، سینے سے چمٹ جاتے ہیں اور اڑان بھرنے نہیں دیتے۔

چیل کو اپنی مابقی تقریباً 30 سال کی زندگی کے لیے 150 دن سخت اور کٹھن محنت کرنی پڑتی ہے۔

چیل پہاڑوں پر جا کر وہاں ایک گھونسلہ بنا لیتی ہے۔

بڑی بڑی چٹانوں سے اپنی چوئج کو ٹکرا کر اپنی چوئج کو ضائع کر دیتی ہے اور اس کی جگہ نئی چوئج آنے کا انتظار کرتی ہے۔ نئی چوئج آجانے پر اپنے ناخن نکال دیتی ہے۔ نئے ناخن کا انتظار کرتی ہے۔ نئے ناخن آنے پر ان کی مدد سے پرانے پر اور پنکھ اکھاڑ پھینک دیتی ہے۔ نئے پر اور پنکھ آنے کا انتظار کرتی ہے۔ اس طرح 3 مہینے مسلسل جدوجہد اور انتھک کوشش کر کے نئے جنم کا آغاز کرتی ہے اور 30 سال زندگی گزارتی ہے۔

اطلاق:

چیل کی طرح ہی ہم بھی کئی مسائل اور سخت حالات کا سامنا کرتے ہیں۔ بعض حالات میں تو پوری طرح ناامید ہو جاتے ہیں۔ ایسے حالات میں اگر ہم پیچھے کی طرف جائیں تب ہمارے وجود پر سوالیہ نشان اٹھ جائے گا۔ اس لیے ایسے سخت حالات میں ہمیں ناامید ہونے کے بجائے ہمت اور خود اعتمادی کے ساتھ اپنے طریقہ عمل میں تبدیلی کی ضرورت ہوگی۔ کتنے ہی سنگین حالات کیوں نہ ہو ہمارے طرز عمل میں تبدیلی لاکر مشکل حالات پر قابو پاسکتے ہیں۔

4- حیاتی مہارتیں

- I- اہم قدر : حیاتی مہارتیں
- II- ذیلی قدر : جذباتی مہارتیں۔ دباؤ پر قابو پانا، جیت اور ہار کو یکساں طور پر قبول کرنا
- III- مطلوب نتائج : ☆ جذبات پر قابو پانے کی مہارت کو پیدا کر لینا
☆ دباؤ کو برداشت کرنے کے قابل بنانا
☆ جیت اور ہار کو مساوی طور پر قبول کرنے کیلئے تیار رہنا

IV- تمہید

جدید دور میں اس مسابقتی دنیا کا ہر شخص دباؤ، رتناؤ کا شکار ہوتا جا رہا ہے۔ یہ تناؤ دباؤ جسمانی مسائل کا باعث بنتا جا رہا ہے اور ذہنی تناؤ کی وجہ بھی بن رہا ہے۔ جس کی وجہ سے ذہنی سکون میں کمی ہو رہی اور ساتھ ہی ساتھ فرد جذبات پر قابو نہیں پاتا ہے۔ اس کی وجہ سے انسانی رشتوں میں استوارگی برقرار نہیں رہ پاتی۔

بچے کی صلاحیت رطاقت، راستطاعت سے زیادہ گھر کا کام (Home Work) دینا، ہدف کا مقرر کرنا، دوسرے بچے سے تقابل کرنا ان جیسے اعمال کی وجہ سے بچے دباؤ، رتناؤ کا شکار بنتے ہیں۔ منصوبہ تیار کر کے اس کے مطابق کام کو انجام نہ دینا، نہ پڑھنا امتحانات کی تاریخ قریب آنے پر بھی بچے دباؤ، رتناؤ کا شکار ہوتے ہیں۔ دباؤ، رتناؤ کی بناء پر وہ صحیح طور پر نہ تو پڑھ پاتے ہیں اور نہ سوچتے ہیں۔ جذبات (غصہ، تیزی) میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسی طرح مقابلہ

آرائی (مسابقت) کی وجہ سے اگر بچے کو دوسروں سے زیادہ نشانات آنے پر یا کھیل میں باہر ہونے پر برداشت نہیں کر پارہے ہیں۔

یہ بات بتانی چاہئے کہ مناسب منصوبے تیار کر کے، آج کے کام کو کل پر نہ ٹالتے ہوئے، غیر ضروری سوچ کو دور کرتے ہوئے دباؤ و تनाव کو جذبات پر قابو پاتے ہوئے دور کیا جاسکتا ہے۔

۷۔ موضوع:

واقعہ نمبر 1:-

عفان ایک خانگی کمپنی میں کام کر رہا ہے۔ آج اس کو آفس میں پراجیکٹ رپورٹ پیش کرنی ہے۔ اس پر اس کے پرموشن (ترقی) کا انحصار ہے وہ رپورٹ کو تیار کر لیا ہے۔ لیکن صحیح طور پر اس کو پیش کر پائے گا یا نہیں؟ پرموشن ملے گا یا نہیں، جیسی باتوں سے وہ دباؤ و تनाव کا شکار ہے۔

آفس جانے کے لیے تیار ہو کر ناشتہ کرنے کے لیے دسترخوان پر بیٹھا ہے۔ بیوی بھی آفس جانے کی تیار کر رہی ہے۔ وہ خود ہی اپنا ناشتہ برتن میں ڈال رہی ہے۔ سالن میں تھوڑا سا نمک زیادہ ہوا ہے۔ اس کو غصہ جلد آتا ہے اس نے اپنی بیوی پر غصہ اتارنا شروع کیا اتنے میں وہ سالن ڈالنے کے لیے کہتا ہے وہ آفس جانے کی تیاری میں جلدی سے سالن ڈالتی ہے تب ہی عفان کے ہاتھ پر تھوڑا سا لگتا ہے۔ تب وہ جذبات سے بے قابو ہو جاتا ہے۔ غصہ میں وہ بیوی پر پھر چلانے لگتا ہے لیکن وہ ان باتوں کو نظر انداز کر دیتی ہے۔ بیوی کی جانب سے مزاحمت نہ ہونے پر عفان کا غصہ اور بڑھ جاتا ہے اور گالیاں دینے لگتا ہے۔ بیوی کا صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ وہ بحث و تکرار کرنا شروع کری۔ (بیوی کا صبر لبریز ہونے پر وہ صف آرائی کے لیے اترتی ہے) دونوں جھگڑنے لگتے ہیں۔ غصہ میں عفان بغیر ناشتہ کے لیے ہی آفس چلا جاتا ہے۔

اب تک بھی غصہ اور جذبات ٹھنڈے نہیں ہوئے ہیں۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ بے احتیاطی سے گاڑی چلاتے ہوئے دوسری گاڑی کو ٹکرا دیتا ہے۔ وہاں پر کچھ دیر کے لیے جھگڑا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کا دل بے قراری میں ڈوبتا رہتا ہے۔



اس طرح آفس پہنچ جاتا ہے۔ لیکن اس کے جذبات کا اثر کم نہیں ہوا ہے۔ مزاج میں بے قاعدگی ہے۔ آفیسر کے سامنے جس طرح پراجکٹ پیش کرنا چاہیے تھا پیش نہیں کر سکا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آفیسر کے سامنے ذلت اٹھانی پڑی۔ پرموشن (ترقی) بھی اس کے ساتھی محسن کو ملا۔ آنے والا پرموشن نہ آنے کی صورت میں وہ بہت ناامید ہو گیا۔

واقعہ نمبر 2:-

جویریہ ترم دسویں جماعت میں زیر تعلیم ہے۔ یہ لڑکی بہت ذہین ہے۔ اپنے مدرسے میں اور کمرہ جماعت میں یہی لڑکی ہمیشہ درجہ اول آتی ہے۔ اس لڑکی کی ذہانت کو دیکھ کر مدرسے کے اساتذہ یہ ہدف مقرر کئے ہیں کہ وہ لڑکی اس سال 10 ویں جماعت میں ریاست میں سرفہرست مقام حاصل کرے گی۔ اس کے لئے ہر ممکن حد تک کوچنگ بھی دی جا رہی ہے۔ والدین بھی اس ہدف کے لیے ساتھ دے رہے ہیں۔ ان کی امید کے مطابق ہی وہ لڑکی تیاری بڑی زور و شور سے کر رہی ہے، لیکن جیسے ہی امتحانات قریب آجاتے ہیں دباؤ اور بے چینی شروع ہو جاتی ہے۔ میں اچھے نمبرات سے ہی کامیاب ہو جاؤں گی لیکن اساتذہ اور والدین کی امید کے مطابق کیا میں ساری ریاست میں اول مقام حاصل کر پاؤں گی! یا ان کو ناامید کر دوں گی۔ یہ سوچتے ہوئے دباؤ بڑھا لیتی ہے۔ اب پڑھائی میں دل نہیں لگ رہا ہے جس کی وجہ سے بے چینی بڑھتی جا رہی ہے۔

واقعہ نمبر 3:-

کامیابی اگر آخری مرحلے میں ہاتھ سے چلی جائے تو ہماری ذہنی کیفیت کیسی ہوتی؟ وہ کوئی عام کامیابی نہیں تھی۔ بین الاقوامی شہرت دلوانے والی کامیابی تھی وہ چند لمحات میں دور ہو گئی۔ سوچئے تب کیسا ہوتا ہوگا۔ یہی حال فلم ”لگان“ کی کہانی لکھنے والے ڈاکٹر عامر خان کا ہوا۔ فلم ”لگان“ کا نام آسکر ایوارڈ کے لیے فہرست میں شامل کیا گیا جس کی تشہیر بھی بہت کی گئی تھی۔ عامر خان نے ہندوستان کی فلمی صنعت کے لیے آسکر ایوارڈ دلوانے کے لیے ہر ممکن کوشش کیا ہے۔ ہندوستان کی ساری عوام عامر خان کی جیت کے لیے نظریں جمائے منتظر تھیں۔ لیکن اندازہ غلط ثابت ہوا۔ غیر ملکی فلم کے انتخاب میں ”لگان“ کو کسی بھی میدان میں ایک



بھی ایوارڈ حاصل نہیں ہو سکا۔

فلم ”نومیانس لینڈ“ کو آسکر ایوارڈ کا اعزاز حاصل ہوا۔ عامر خان بڑی مایوسی کے ساتھ ہندوستان واپس لوٹا ہے۔ اس پر عامر خان کا تاثر کیا رہا ہوگا؟ ”کوئی بات نہیں“ میں نے سوچا تھا کہ فلم ”لگان“ کو ایوارڈ حاصل ہوگا لیکن وہ ایوارڈ ایک اچھے فلم کو حاصل ہوا ہے۔ اس طرح عامر خان نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ عامر خان نے اس کو ہار تسلیم نہیں کیا اور ناخوش بھی نہیں ہوا۔

واقعہ نمبر 4:-

الکونینڈر گراہم بل اپنی بہری بیوی کے لیے سننے میں معاون آلہ کے ایجاد کے لیے کئی سال دن رات محنت کی۔ اس طرح آلہ بنانے میں وہ ناکام ضرور ہوا لیکن ساتھ ہی ساتھ تار کے ذریعہ آواز کو لے جانے والا ٹیلی فون کو ایجاد کیا۔

اسکول میں پڑھنا نہیں آتا کہہ کر باہر ڈھکیل دیا گیا تھا۔ تھامس الوائیڈسن برقی بلب کو ایجاد کیا اس طرح وہ ساری دنیا کو روشن کر گیا۔

VI: غور کرنا - رد عمل کا اظہار کرنا

- 1- پہلے واقعہ میں عفان اپنا پراجکٹ صحیح طور پر کیوں پیش نہیں کر پانے کی وجوہات کیا ہیں؟
- 2- کیا عفان کا رویہ مناسب ہے؟ وہ کس طرح کا رویہ رکھنا چاہے گا؟
- 3- دوسرے واقعہ میں جویریہ ترنم دباؤ سے متاثر ہونے کی وجوہات کیا ہیں؟ اس طرح کے دباؤ سے آپ کبھی دوچار ہوئے ہیں؟
- 4- واقعہ 3 اور واقعہ 4 سے آپ نے کیا سیکھا؟
- 5- آپ نے کبھی ہار کا سامنا کیا ہے؟ تب آپ کو کیسا محسوس ہوا؟



(ب) عمل کرنا۔ تجربات بیان کرنا

آپ اپنے دل اور دماغ کو اطمینان سے رکھئے۔ اپنے گھر کے افراد پر اور دوستوں پر غصہ اتارئے اور ان سے بوریات ظاہر کیجئے۔ کام کرنے میں کوتاہی نہ برتتے ہوئے جب کے کام کو تب کیجئے۔ اپنے تجربات بتائیے۔
جذباتی مہارتیں:-

انسانی فطرت میں جذبات پوشیدہ ہوتے ہیں جیسے اگر ہم کوئی خوشخبری سنتے ہی خوش ہونا، مستقبل کے بارے میں سوچ کر فکر مند رہنا اور کسی تکلیف سے دوچار ہونا ہوں تب پریشان ہونا، جب ہم تجربات سے گذرتے ہیں تو اس کی مناسبت سے جذبات کی وجہ سے ہم کچھ دیر کے لیے بکھر جاتے ہیں اور تھوڑے وقفہ بعد اپنے آپ کو سنبھال لیتے ہیں۔ اچھایا برا واقعہ درپیش ہونے پر ہی ذہن تیزی سے منتشر ہوتا ہے تب اس کی مناسبت سے کیا جانے والا برتاؤ ہی جذبات کو ظاہر کرتا ہے۔ جذبات سے مراد یہ کہ ہمارے تجربات سے متعلق آنے والے خیالات اور اس کے نتیجے میں جسمانی و ذہنی کیفیت کی وجہ سے انسان کے برتاؤ برویہ میں ظاہر ہونے والی تبدیلی ہی ہے۔ خوشی، غصہ، ذلت، پریشانی، مصیبت، تکلیف، پیار، شرم و حیا، ڈر و خوف، چونک جانا، ان حالات سے گذرنے کے دوران ان کی نشاندہی کرنا، مناسب انداز سے اپنا رویہ ظاہر کرنا، اور ان تمام پر قابو پانا ہی جذباتی ذہنی قوت ہے۔

اپنے جذبات پر مناسب انداز سے قابو پانے والا شخص ہی دوسروں کے جذبات کو سمجھ سکتا ہے۔ دوسروں کے جذبات کو سمجھ کر ان کی خوشی کا احترام کرتے ہوئے سماج کی ترقی کی صلاحیت فروغ پاتی ہے۔ انسانی رشتوں پر بھی گرفت حاصل کر پاتا ہے۔ یعنی جذبات کی ذہنی قوت رکھنے والا شخص وہ خود خوش رہتے ہوئے اور دوسروں کی خوشی کا لحاظ رکھتے ہوئے سماج میں امن و سکون کی زندگی گزار سکتا ہے۔ جذباتی مہارت رکھنے والا شخص دباؤ پر بھی قابو پاسکتا ہے۔

دباؤ پر قابو پانا:

صبح اٹھنے سے لے کر رات سونے وقت تک انسان کی سفر زندگی وہ کئی تجربات سے ہو کر گذرتا ہے۔ بدلتے ہوئے زمانے کے لحاظ سے انسان تمام شعبہ جات میں تیزی پیدا کرتا ہے۔ لیکن یہ مصروف زندگی بھی دباؤ سے دوچار ہو رہی ہے۔ یہ دباؤ ہی انسان کے لیے نقصان کی شکل اختیار کر رہا ہے۔ تازہ سروے کے مطابق تقریباً 70% صحت کے مسائل صرف دباؤ کی وجہ سے ہی آرہے ہیں۔ دباؤ ہمارے جسم پر کافی گہرا اثر دکھاتے ہوئے صحت کے کئی مسائل کی وجہ بن رہا ہے۔ دباؤ کی وجہ سے غصہ، تکلیف جیسے منفی جذبات فروغ پاتے ہوئے احساس کمتری کے لیے راستہ ہموار ہو رہا ہے۔ لہذا امر دوچاہئے کہ وہ دباؤ پر قابو پانے کی مہارت کو فروغ دے۔

دراصل دباؤ سے کیا مراد ہے؟ وہ کس طرح محسوس کیا جاتا ہے، جانیں گے۔ اگر کوئی شخص کسی چیز کی امید کرتا ہے اور حقیقت میں جو گذرتا ہے اس کے درمیان فرق کو ہی دباؤ کہتے ہیں۔ ہم جس چیز کو حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ ناممکن نظر آئے تب ہم اتنے ہی دباؤ کا شکار ہوتے ہیں۔ ان حالات میں ہم جن چیزوں کی امید رکھتے ہیں یا خواہش رکھتے ہیں اس سے کم ہی ہمارے دسترس میں موجود اشیاء ہوتی ہیں لہذا ہر ایک کی زندگی میں دباؤ ضرور ہوتا ہے۔

دباؤ سے متاثر ہونے والے شخص کی ذہنی کیفیت اور اس کی فطرت کے مطابق نتیجہ ظاہر ہوتا ہے۔ اگر دو اشخاص میں ایک جیسے دباؤ سے دوچار ہو رہے ہوں تب ان میں سے ایک دباؤ کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اس پر قابو پالیتا ہے اور دوسرا شخص دباؤ کی وجہ سے اتنا متاثر ہوتا ہے کہ اسکی جان جانے کا خدشہ لاحق ہوتا ہے۔ دباؤ سے مقابلہ کرنے کی صلاحیت و طریقہ درپیش مسئلہ کا ڈٹ کر سامنا کرنے کی مہارت پر منحصر ہے۔

بچے اپنے برداشت سے زیادہ سے گذرتے ہیں تب ان کی فطرت میں ٹھیراؤ ہوتا ہے۔ کسی بھی کام پر توجہ نہیں رکھ پاتے ہیں۔ سیکھنے میں دشواری پیش آتی ہے۔ سیکھی ہوئی معلومات صحیح طور پر یاد نہیں رہتی ہیں۔ بھولنے میں اضافہ ہوتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر خیالات واضح نہیں ہونے کی صورت میں مناسب فیصلے نہیں کر پاتے۔ پڑھائی سے، کھیل کود سے دلچسپی جاتی رہتی ہے۔ کسی سے بھی خوشی سے مل کر نہیں رہ پاتے ہیں۔ والدین کے سامنے خاموش رہا کرتے ہیں۔ گھر سے بھاگ جانا، خودکشی کر لینا جیسے اقدامات سے دوچار ہوتے ہیں۔



دور حاضر میں دباؤ پیدا ہونے کی اہم وجوہات

- ۱۔ تقابل (مسابقت)
- ۲۔ ناکامی کا ڈر
- ۳۔ وقت کی کمی
- ۴۔ منفی سوچ
- ۵۔ مستقبل سے متعلق ڈر و خوف
- ۶۔ خود اعتمادی میں کمی
- ۷۔ اپنی صلاحیت رتوت سے بڑھ کر امیدیں، کام کرنا وغیرہ
- ۸۔ تکنیکی زندگی
- ۹۔ ورزش کا نہ ہونا

دباؤ پر قابو پانے کے لیے سب سے پہلے مثبت سوچ رکھنا چاہئے۔ کسی مسئلہ کو ایک پہاڑ کی طرح نہیں سمجھنا چاہئے۔ اگر مسئلہ کو ہر زاویے سے پرکھا جائے یا تجزیہ کیا جائے تب ہم کو اس کو حل کرنے میں آسانی ہوگی۔ اس طرح ہم کسی مسئلہ کے دباؤ سے جلد ہی باہر آ سکتے ہیں۔ کسی بھی کام کی انجام دہی کے لیے ایک موثر منصوبہ تیار کر کے وقت کی مناسبت سے عمل کرنے سے دباؤ میں کمی واقع ہوتی ہے۔ ذہنی ورزش اور یوگا دباؤ کو کم کرنے میں معاون ثابت ہو رہے ہیں۔ سب سے اہم یہ کہ متوازن غذا اور اچھی عادتیں کا فروغ ہے۔ ذہنی سکون کے لیے مختلف کام کی انجام دہی ذریعہ دباؤ کو کم کیا جاسکتا ہے۔ ہر وہ کام جو تخلیقی ہو دباؤ سے باہر نکلنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔

جیت اور ہار کو یکساں طور پر قبول کرنا

کسی بھی کام کے شروع کرنے کے بعد اس میں یا تو کامیابی ہوتی ہے یا پھر ناکامی۔ شروع کئے گئے ہر کام سے کامیابی کی امید نہیں کی جاسکتی ہے۔ ناکامی ہی کامیابی کی پہلی سیڑھی ہے۔ لہذا کامیابی حاصل ہونے پر فخر نہیں کرنا چاہئے۔ اگر ناکامی ہو تو مایوس نہیں ہونا چاہئے۔

کس کو ناکام ہوتی ہے؟ بل گیٹس سے لے کر سچن تنڈولکر تک وہ کون ہے جس نے ناکامی کا سامنا نہیں کیا ہے۔ اگر یہ لوگ ناکام ہوتے ہیں تب یہ کہا جائے گا کہ ان کی کوشش کامیابی کی جانب ہے۔ انسان کی کوشش یہی ہونی چاہئے۔ ناکامی فطری بات ہے۔ ناکامی ایک دفعہ، دو دفعہ، آخر کار 10 دفعہ ہونے دیجئے، کوئی بات نہیں۔ کوشش سے دستبردار نہ ہو کر اگر اس کو جاری رکھیں تو کامیابی ضرور قدم چومے گی۔ ناکامی فطری قانون ہے۔ اگر ناکامی نہ ہو تو کامیابی بے مزہ ہے۔ کام کے دوران چند ناکامیاں رکاوٹیں آتی ہیں۔ رکاوٹیں مشکلات، ناکامیاں اور ہار کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ہمت کے ساتھ ان کا مقابلہ کرنا۔

لہذا ان تمام کا سامنا کرتے ہوئے جیتنے والا شخص ہی کامیاب کہلاتا ہے۔ دکھ کے بعد ہی سکھ آتا ہے۔ جو شخص دکھ سے گذرتا ہے اسی کو سکھ کا مزہ معلوم ہوتا ہے۔ ناکامی کا سامنا کیا ہوا شخص ہی کامیابی کی اہمیت کو سمجھ سکتا ہے اور جان سکتا ہے۔ ناکامی فطری ہوتی ہے۔ لہذا ناکام ہونے پر مایوس نہیں ہونا چاہئے۔

کامیابی کی راہیں جن مراحل سے گذرتی ہیں ان میں ایک مرحلہ ناکامی بھی ہے، ناکامی کو قبول کرنے سے مراد یہ سمجھا جاتا ہے کہ پیچھے ہٹنا ہے لیکن وہ قدم کامیابی کا پہلا زینہ ہوتا ہے۔ ناکامی کی حقیقت کو قبول کرنا غلطی نہیں ہے لیکن ناکامی کو قبول کرنے سے دل مایوس ہو جاتا ہے۔ دوسری کوشش میں کامیابی حاصل کرنے کا جذبہ فروغ پاتا ہے۔ اگر ایسا نہیں ہوا تو ہم کو ہر کام پر غصہ آ جاتا ہے۔ احساس کمتری بڑھتی جاتی ہے۔ منفی تصور شامل ہو جاتا ہے۔ اس سے مستقبل تاریک بن جاتا ہے۔ اس لیے کامیابی کو بھی یکساں طور پر قبول کرنا چاہئے۔



میں عمل کروں گا کروں گی

- 1- میں غلط عادتوں کا شکار نہیں بنوں گا/ بنوں گی
- 2- آج سے میں کاہل پن/تساہلی چھوڑ دوں گا/ چھوڑ دوں گی۔
- 3- میری ترقی کے ضامن بننے والے اہم خواہشات ہی رکھوں گا/ رکھوں گی۔
- 4- میں گٹھ کا یا پان مصالحہ، شراب نوشی جیسی عادتوں کو بدلوں گا/ بدلوں گی۔
- 5- میں بدعنوانی کے خلاف لڑوں گا/ لڑوں گی۔ انکیشن/رائے دہی کے وقت میرے والدین اور رشتہ دار سے مطالبہ کروں گی کہ وہ بدعنوانی کے بغیر صاف و شفاف طریقہ سے رائے دہی میں حصہ لیں۔
- 6- والدین کو پڑھنا، لکھنا سکھاؤں گا/ سکھاؤں گی۔
- 7- ذات پات، مذہب، زبان اور علاقہ واریت کے فرق پر عمل نہیں کروں گی۔
- 8- ہم سب ہندوستانی ہیں اس تصور کے ساتھ زندگی گزاروں گا/ گزاروں گی۔



5۔ ثقافتی ورثہ

۱۔ اہم قدر : ذمہ داری نبھانا، فرائض کی انجام دہی

۲۔ ذیلی قدر : ملک کی وراثت کا تحفظ

۳۔ مطلوبہ نتائج / مقاصد:

☆ ہمارے ملک میں نسل در نسل وراثتی ملکیت کا تحفظ اور ذمہ داری کے متعلق جاننا۔

۶۔ تمہید:

ہمارے ملک میں مختلف مذاہب، تہذیب اور زبانوں کا گہوارہ ہونے کے باوجود کثرت میں وحدت ہے۔ ہمارے ملک کے وقار کو ظاہر کرنے والی تہذیب، رسم و رواج، فنون، اشیاء، تاریخی عمارتیں وغیرہ کا تحفظ ہم سب کی ذمہ داری ہے۔ آئیے اس کی اہمیت اور ہماری ذمہ داری کے متعلق معلومات حاصل کریں۔

۷۔ موضوع

عہد:-

ہندوستان میرا وطن ہے۔ مجھے اپنے وطن سے پیار ہے اور میں اس کے عظیم اور گونا گوں ورثے پر فخر کرتا ہوں۔ میں ہمیشہ اس ورثے کے قابل بننے کی کوشش کرتا رہوں گا۔ اپنے والدین، استادوں اور بزرگوں کی عزت کروں گا اور ہر ایک کے ساتھ خوش اخلاقی کا برتاؤ کروں گا۔ میں جانوروں کے تئیں رحم دلی کا برتاؤ رکھوں گا۔ میں اپن وطن اور ہم وطنوں کی خدمت کے لیے اپنے آپ کو وقف کرنے کا عہد کرتا ہوں۔

واقعہ:

10 ویں جماعت کے طلباء تعلیمی تفریح کی غرض سے اساتذہ اکرام کے ساتھ آگرہ کے تاج محل کو دیکھنے کے لیے گئے۔ وہاں پر گائیڈ نے طلباء کو تاج محل کے متعلق معلومات سے واقف کروا رہا ہے۔ طلباء بڑی ہی دلچسپی اور خوشی کے ساتھ سن رہے ہیں۔ گائیڈ نے کہا کہ اس تاج محل کو شہنشاہ شاہ جہاں نے تعمیر کروایا۔ اس کی تعمیر پر جملہ 23 سال لگے۔ یہ تعمیر ایرانیوں نے کی۔

VI: (الف) غور کرنا - رد عمل کا کرنا

- 1- آپ روز آئے عہد پڑھتے ہیں جس میں آپ نے ”میں اس عظیم اور گونا گوں ورثے پر فخر کرتا ہوں۔ میں ہمیشہ اس ورثے کے قابل بننے کی کوشش کروں کرتا رہوں گا“ کہہ کر پڑھا ہے۔ اس کے کیا معنی ہیں؟ اگر اس طرح بنا ہو تو آپ کو کیا کرنا پڑے گا؟
- 2- ہمارے آباؤ اجداد سے صدیوں سے آئی ہوئی روایت رکلچری ثقافت کا تحفظ کیوں ضروری ہے؟
- 3- ملک کے ثقافتی ورثے کے تحفظ کے لیے آپ اقدامات کریں گے؟ اس طرح تحفظ کی کوشش کے دوران آپ اپنے تجربات لکھئے۔
- 4- ہمارے ثقافتی ورثے کی فہرست تیار کیجئے؟
- 5- آپ ثقافتی ورثے کے متعلق معلومات حاصل کر چکے ہیں۔ ان معلومات کو آنے والی نسلوں تک محفوظ طریقے سے پہنچانے اور اس کے تحفظ کے لیے ذمہ داری کیا ہوگی؟



(ب) عمل کرنا۔ تجربات بیان کرنا

☆ آپ اپنے مقام کے ثقافتی ورثوں کی تفصیلات لکھئے۔ وہ اب کس حالت میں ہے اور ان کا تحفظ کس طرح کیا جائے لکھئے۔

آپ کے مقام پر موجود ورثہ	اس کی حالت اب کس طرح ہے؟	تحفظ کے لیے، لیے جانے والے اقدامات

☆ اخبار میں، روزنامہ میں یا انٹرنیٹ کے ذریعہ ہمارے ملک کے ثقافتی ورثہ کی تاریخ، تعمیرات، مساجد وغیرہ سے متعلق تصاویر اور تفصیلات رکھنا چاہئے۔ اپنے اسکول میں آویزاں کیجئے۔



6۔ جھوٹی شان و شوکت

- I۔ اہم قدر : بچت، اہمیت
- II۔ ذیلی قدر : جھوٹی شان و شوکت سے دوری
- III۔ متوقع نتائج / مقاصد :

☆ جھوٹی شان و شوکت سے دور رہنا۔ امیروں اور دولت مندوں کی مسابقت میں شادیوں، سا لگرہ کی پارٹیوں میں اپنے حیثیت سے زیادہ قرضہ لینے کے نقصانات سے واقف کروانا

☆ ضروریات سے زیادہ سامان کے خریداری کرنا، حد سے زیادہ خرچ کرنے اور بچت کے درمیان فرق کے بارے میں معلومات حاصل کرنا۔

VI۔ تمہید:

ہم اپنی حیثیت کو بھول کر دوسروں کے مقابلے یا مسابقت کے لیے غیر ضروری خرچ کرنا جھوٹی شان ہے۔ شیر کو دیکھ کر لومڑی بھی اپنے جسم پر جس طرح پٹے لگا کر رہتی ہے۔ اسی طرح ہم بھی اپنے آپ کو بڑا جتانے کے لیے قرض لے کر پارٹیاں کرنا اور غیر ضروری سامان (کپڑے، زیور، چپل، سیل فون وغیرہ) رہنے کے باوجود بھی مزید خریدنا بھی جھوٹی شان ہے۔ اس طرح جھوٹی شان میں فائدے سے زیادہ نقصانات ہیں۔ ایسا کرنا صحیح نہیں ہے۔ بلکہ ہمارے پاس جتنا ہے اتنا خرچ کرتے ہوئے بچت کے ساتھ سکھ اور خوشی سے زندگی گزارنا اچھا ہے۔

V۔ موضوع:

ذاکر کے گھر میں بہت سے لوگ جمع کیونکہ اس کی بہن کی شادی ہے۔ سب ملکر یہ بات چیت کر رہے ہیں

کہ کس طرح شاندار پیمانے پر شادی ہونی چاہئے۔ ذاکر بھی اپنے لئے کپڑے، شادی کے وقت کے پٹاخوں کی فہرست بھی کہہ چکا ہے۔ شادی کا دن بھی آپہنچا۔ اس دن گھر کو برقی قمقموں سے سجایا گیا۔ اسٹیج کو مختلف رنگین برقی لائٹس، رنگ برنگے پھول سے سجایا گیا۔ کان پڑے آواز سنائی نادینے والا DJ بجایا جا رہا ہے۔ بیانڈ بجز زور زور سے بج رہا ہے۔ ذاکر بھی لاکھوں روپیوں کے پٹانے جلا رہا ہے۔ پنڈال لوگوں سے بھر پڑا ہے۔ شادی میں ہمہ اقسام کے کھانے مرغ مسلم، بریانی، میٹھے، شیرمال، چاٹ، آئسکریم لوگوں نے جتنا کھایا اتنی مقدار سے زیادہ بے کار پلیٹوں میں چھوڑ دیا۔ ذاکر نے بھی خوب ڈٹ کر کھایا۔ کسی کام کی وجہ سے وہ باہر آیا تو دیکھتا کیا ہے کہ چند بچے جھوٹے پلیٹ میں بچے کھانے کے لیے ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں۔ ذاکر نے سوچا کہ کھانے کی خاطر بے لباس یہ بچے لڑ رہے ہیں اور ہم ہیں کہ اتنا سارا کھانا بے کار پھینک دے رہے ہیں۔ ذاکر فوراً انہیں اپنے ساتھ بلا لایا۔ پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔ اس طرح کا کام کر کے اسے بے حد مسرت حاصل ہوئی۔

واقعہ نمبر 2:-

زاہد اور راشد دونوں گہرے دوست تھے۔ زاہد دولت مند تھا جب کہ راشد اوسط گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ زاہد اپنی سالگرہ ہمیشہ بڑے ہوٹل میں بڑے شاندار پیمانے پر مناتا۔ وہ اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو اس پارٹی میں بلاتا تھا۔ پارٹی منانے کے لیے ہوٹل کو غباروں اور پھولوں سے سجاتا۔ بڑے سے ایک کو کاٹ کر سب میں تقسیم کرتا تھا۔ مہمانوں کو کچھ نہ کچھ تحفہ دیتا اس کے بعد کئی اقسام سے کھانوں کے ذریعہ لوگوں کی ضیافت کرتا تھا۔ یہ تمام دیکھ کر راشد نے بھی اپنے والدین سے ضد کرنا شروع کیا کہ اس کی سالگرہ بھی اسی طرح منائی جائے۔

واقعہ نمبر 3:-

پروین دسویں جماعت میں پڑھتی تھی۔ اس کا تعلق ایک اوسط گھرانے سے ہے۔ پروین، والدہ اس کی سالگرہ بالکل معمولی طور پر مناتی ہے۔ اس کے دوستوں اور سہیلیوں کو چاکلیٹ تقسیم کرتی تھی۔ شام کے وقت والدین پروین کے ساتھ یتیم خانے کو جاتے اور وہاں کے معصوم بچوں کو مٹھائیاں، پھل، کپڑے تقسیم کرتے۔ پروین بھی دوسروں کو دیکھ کر یہ ضد نہیں کرتی ہے کہ ان کے پاس یہ ہے، وہ ہے مجھے بھی چاہئے۔ اس کے پاس جو



کچھ بچت ہوتی دوسروں کی مدد کرتی ہے۔

واقعہ نمبر 4:-

ریشماں دسویں جماعت میں پڑھتی ہے۔ اس لڑکی کو بہت زیادہ جھوٹی شان کا خطبہ ہے۔ سامان خریدنے کا لالچ بہت زیادہ ہے۔ ہر پارٹی کے لیے ایک نیا ڈریس خریدنے کی ضد کرتی ہے۔ کسی کے پاس کوئی نئی چیز دیکھ لیتی ہے یا کپڑا یا زیور دیکھ لیتی تو فوراً خود بھی خریدنے کی ضد کرتی ہے۔ اب تک اس ایک الماری کپڑوں سے بھری پڑی ہے۔ 20'15 گلوں کے سٹ ایک صندوق بھر چوڑیاں، مختلف اقسام کے چپل ہے۔ جہاں دیکھو اس کے کمرے میں سامان ہی سامان نظر آتا ہے۔

VI: (الف) غور کرنا - رد عمل کا کرنا

- 1- پہلے واقعہ میں شادی کے منظر کو آپ نے دیکھا ہے۔
سادگی سے بھی شادی کی جاسکتی ہے۔ کیسے۔ بولئے؟
- 2- آپ ذرا کرکی جگہ ہوتے کیا کرتے؟
- 3- دوسرے واقعہ میں زاہد نے اپنی سالگرہ کو منایا ہے۔ یہ کس حد تک صحیح ہے۔
اس طرح منایا جائے تو کیا ہوگا؟
- 4- تیسرے واقعہ میں پروین نے اپنی سالگرہ میں اس نے جو کام کیا ہے کیا وہ اچھا ہے.....؟
آپ اپنی سالگرہ کس طرح مناتے ہیں؟
- 5- چوتھے واقعہ میں ریشماں نے بہت زیادہ سامان اپنے لئے خریدا۔ کیا یہ غلط ہے..... کیوں؟
- 6- ہم کیا شان و شوکت کی ضرورت ہے۔ وضاحت کیجئے۔



(ب) عمل کرنا۔ تجربات بیان کرنا

☆ کیا آپ کو جھوٹی شان و شوکت کی عادت ہے۔ اس طرح کی عادت ہو تو دور کرنے کی کوشش کیجئے۔
اپنے تجربات بیان کیجئے۔

VII: جانیں گے

ہمارے درمیان میں کچھ لوگ جھوٹی شان و شوکت جتانے اور شیخی بگھارنے والے لوگ بھی موجود ہوتے ہیں۔ وہ لوگ بڑی بڑی باتیں کرتے ہیں اور جب بھی کوئی بات کرتے ہیں تو لاکھوں اور کروڑوں کی۔ لیکن اپنے ہاتھ سے کسی کو کچھ دیتے تک نہیں ہے۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم کمزور ہیں یا دوسروں سے مسابقت کی خاطر ہی شان و شوکت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ شان و شوکت سے متاثر ہونے والے بہت ہی کم لوگ ہیں۔ بعض شان و شوکت کے مظاہرے ایسے کرتے ہیں جیسے شیر کو دیکھ کر لومڑی بھی شیر کی طرح دھاریاں لگانے کے مصداق ہے۔ ذی حیثیت لوگ شان و شوکت کا مظاہرہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن حیثیت نہ رکھنے والے بھی قرضہ کرتے ہوئے شان و شوکت کا مظاہرہ کرنے سے بہت زیادہ نقصان اٹھا سکتے ہیں۔

شان و شوکت کے مظاہرہ میں نہ خود کھا سکتے ہیں اور نہ دوسروں کو کھلا سکتے ہیں۔ پیسہ صرف ضائع ہو رہا ہے۔ کم خرچ سے ہونے والے کاموں کو زیادہ خرچ کے ساتھ شان و شوکت کے ساتھ مظاہرہ آج کل کی روایت بن گئی ہے۔ ساگرہ، دیگر تقاریب، شادی بیاہ وغیرہ کے مبارک موقع پر اسٹیج کو بہت زیادہ سجانا، بے حساب کھانوں کی تیاری اس کے پیسے کا اسراف ہو رہا ہے۔ علاوہ ازیں ساڑھیوں اور زیورات کی خریدی کا کوئی حساب نہیں اس طرح کی شان و شوکت کا مظاہرہ روزمرہ زندگی میں بھی بہت زیادہ کیا جا رہا ہے۔ شان و شوکت کے مظاہرے کے لیے بے ضرورت گھریلو اشیاء کو جمع کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ماضی میں اشیاء ضروریہ و اشیاء آسائش کی تقسیم تھی لیکن تمام اشیاء کو ضروری اشیاء میں شامل کر لیا گیا ہے۔ کار، فون، ٹی وی، فریج وغیرہ



اب اشیائے آسائش نہیں رہے اب خصوصاً اشیائے آسائش الگ سے نہ رہے۔
شان و شوکت کو بالکل ختم کرنا ممکن نہیں ہے۔ لیکن حد سے زیادہ استطاعت سے زیادہ، شان و شوکت کا
مظاہرہ کر کے مشکلات کو دعوت دیتے ہیں۔

ان دنوں جائزہ سروے کے ظاہر کردہ نکات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ چند لوگ کھانے کے محتاج ہونے
کے باوجود شان و شوکت کا مظاہرہ ضروری سمجھتے ہیں ایسے لوگوں کے لیے بیت الخلاء کی سہولت نہیں ہے۔ لیکن سیل
فون کا استعمال کثرت سے کیا جا رہا ہے۔ ایک وقت کے کھانے کے لیے مشکل ہے۔ لیکن گھر میں آسائش کی تمام
اشیاء کو جمع کیا جا رہا ہے۔ طلباء سیل فون کا استعمال، سینما بینی، سیر و تفریح، کپڑوں کے لیے جتنے پیسے خرچ کر رہے
ہیں، اتنی دلچسپی کتابوں کی خریدی اور پڑھنے میں نہیں لگاتے ہیں۔ اس کی جگہ پر صرف شان و شوکت نے جگہ لے
لی ہے۔ اسکول کے معاملے میں بھی یہی حالت ہے۔ تدریس سے زیادہ شان و شوکت اور نمائش زیادہ ہو گئی ہے۔
دواخانوں میں علاج سے زیادہ نمائش و دکھاوا کو زیادہ ترجیح دی جا رہی ہے۔ سماج میں بھی معیار سے زیادہ نمائش
و دکھاوے کو ترجیح دے رہا ہے۔ معیار گھٹ گیا ہے لیکن دکھاوے کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ مسابقتی شان و شوکت
نہایت ہی خطرناک ہے۔

مصنوعی شان و شوکت کے لیے تکلیف اٹھا کر لوگوں میں اپنا مذاق اڑانے کے بجائے جو اپنے پاس موجود
ہوں اسی پر مطمئن ہونا اور اپنے مقام کے مناسبت سے چلنا چاہئے۔



7- ابتدائی طبی امداد

- I: اہم قدر : صحت کی برقراری
- II: ذیلی قدر : ابتدائی طبی امداد کے فہم حاصل کرنا
- III: متوقع نتائج مقاصد :

ابتدائی طبی امداد کے لیے درکار اشیاء کے بارے میں معلومات حاصل کرنا، استعمال سے واقف ہونا

IV: تمہید:

کسی حادثہ کے واقعہ ہونے پر ڈاکٹر کے آنے تک مریض کو جو کچھ مدد دی جاتی ہے۔ ابتدائی طبی امداد کہلاتی ہے۔ اس وقت کی تھوڑی سے طبی مدد بھی بڑا کام کر جاتی ہے۔ گھر، مدرسہ، بازار، حادثہ ہونے پر مریض کو تھوڑی بہت مدد اور طبی امداد ضروری ہوتی ہے۔ یہ کس طرح کی جاسکتی ہے۔ آئیے اس بارے میں تفصیلات حاصل کریں۔

V: موضوع

سائنس کے اشکال اتارنے کے لیے پنسل چھیل رہے تھے۔ درمیان میں ٹی وی پر کرکٹ میاچ دیکھتے ہوئے اچانک پنسل کے چھیلنے ہوئے ہاتھ زخمی ہو گیا۔ خون نکلنے لگا۔ امی جلدی جلدی باورچی خانہ جا کر ہلدی لے آئی۔ بھائی جلدی سے انگلیوں کو منہ میں رکھ کر خون روکنے کی کوشش کرنے لگا۔ آپا جان ابتدائی طبی امداد کا ڈبہ لے آئی۔ جس میں سے آئیوڈین لگا کر پٹی باندھی گئی۔

VI: الف

- 1- ابتدائی طبی امداد سے کیا مراد ہے؟ یہ کیوں ضروری ہے؟
- 2- ابتدائی طبی امداد کس طرح ضروری ہے۔ اس کے لیے کیا کوئی تربیت ضروری ہے، مباحثہ کیجئے؟
- 3- کیا آپ کسی موقع پر ابتدائی طبی امداد کی ہے؟ اگر کیا ہے تو کیسے؟
- 4- ابتدائی طبی امداد کے ڈبے کو کیا کبھی آپ نے دیکھا ہے۔ اس میں کیا کیا ہونا چاہئے؟
- 5- ’لو‘ لگنے پر کوئی اگر گرجائے تو کیا امداد دی جائے۔ وضاحت کیجئے؟

(ب) عمل کرنا۔ تجربات بیان کرنا

- ☆ ایک عام آدمی کو حادثہ ہونے پر اس شخص کی طبی امداد کیجئے۔ تجربات بیان کیجئے۔
- ☆ آپ کے مدرسے کے لیے ایک طبی امداد کا بکسہ تیار کیجئے۔ اس میں درکار اشیاء کو آپ اپنے سائنسی ٹیچر کی مدد سے اکٹھا کیجئے۔ مدرسہ میں ہونے والے حادثات کی طبی امداد کیجئے۔
- تجربات بیان کیجئے۔

ابتدائی طبی امداد کا بکسہ

تمام کارخانوں، دفاتروں، اسکولوں اور گھروں میں تمام افراد کے دسترس کے لحاظ سے ایک ابتدائی طبی امداد کا بکسہ ہونا ضروری ہے۔ یہ دوکانوں میں تیار ملتے ہیں۔ آپ لکڑی یا مقووں سے بنے ڈبوں کو بھی بکسہ کے طور پر تیار کر سکتے ہیں۔ ذیل کے اشیاء آپ کے ابتدائی طبی امداد کے بکسہ میں ہونے چاہئے۔

☆ سوئیاں	
☆ صاف کرنے والے توال یا کپڑے	☆ جذب کرنے والے بینڈیج یا مختلف اقسام کے سوتے کپڑے
☆ انٹی سپٹک (Anti Septic) اشیاء (ڈیٹال رسوالن)	☆ گم ٹیپ (Gum Tape)
☆ ایک ویسلین (Vaseline) ٹیوب	☆ بینڈیج رول
☆ Lubricant ☆ مختلف اشیاء اور سائز کے بینڈیج	☆ ایک ہنڈل روئی
☆ مختلف اقسام کے (Safty Pins)	☆ پلاسٹر بینڈیج
☆ صابن یا ڈٹرجنٹ پاؤڈر	☆ قینچی
☆ گلو زیز (دستانے)	☆ پن سائز ٹارچ لائٹ

﴿ ادویات ﴾

اسپرین یا درد کم کرنے والی ادویات	صفراء یا Acidity کو کم کرنے والے ادویات Antacid کی گولیاں
Paracetamol (Pain Killer) گولیاں	
شہد کی مکھی کاٹنے پر لگائے جانے والے کریم Anti Hastamin (درد کم والے کریم)	

یہ بکسہ کے دسترس میں ہو۔ ادویات کے استعمال کی مدت ختم ہو جانے کے بعد انہیں پھینک کر نئے ادویات بکسہ میں رکھے جائیں۔

مرگی (شدت کے ساتھ جسم کا اکڑ جانا) اچانک بیمار پڑ جانا، مرگی میں نظر آتے ہیں۔ مریض کو مدد کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ فوری طور پر ایسے مریض کو ڈاکٹر کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔

﴿ علامات ﴾

عضلات اکڑ کر سخت ہو جاتے ہیں۔ جسم میں جھٹکے لگنا شروع ہوتے ہیں۔

(Jerking Movement)

☆ مریض کی زبان دانتوں کے درمیان آ کر کترے جاتی ہے۔ سانس کارکنا بھی ممکن ہے۔

☆ چہرہ، ہونٹوں کا رنگ نیلا ہو جاتا ہے۔

☆ لعاب زیادہ خارج ہوتا ہے۔ مسلسل نکلتے رہتا ہے۔

﴿ امدادی تدابیر ﴾

☆ مریض کے اطراف موجود اشیاء کو ہٹا دیا جائے۔ سر کے نیچے نرم تکیہ لگایا جائے۔

☆ دانتوں کے درمیان، منہ میں کوئی بھی شے نہ رکھیں۔

☆ مریض کو کسی بھی قسم کے مخلول پینے کے لیے نہ دیں۔
 ☆ پرسکون ماحول میں رکھیں۔ مریض کو ڈاکٹر کی مدد پہنچانے تک سہولتیں پہنچاتے رہیں۔
 ☆ مرگی میں بے ہوشی یا دورہ دوبارہ آسکتا ہے۔ اس لئے جہاں تک ممکن ہو طبی امداد کے لیے ڈاکٹر کے پاس لے جایا جائے۔

﴿لو لگنا﴾

ابتدائی طبی امداد.....

☆ لو لگنے پر اس شخص کو فوری ٹھنڈک پہنچائی جائے۔
 ☆ اگر ممکن ہو تو مریض کو ٹھنڈے پانی میں ڈبوئیں۔ (اگر ٹب جیسا کوئی برتن ہو)
 ☆ گیلے کپڑوں سے لپٹیں اور گیلے کپڑے سے جسم کو پونچھیں۔
 ☆ مریض کے جسم کے درجہ حرارت 101 ڈگری فارن ہیت تک پہنچنے تک ٹھنڈے پانی میں ڈبو کر ٹھنڈے کمرے میں آرام سے رکھیں۔
 ☆ اگر درجہ حرارت بڑھ رہا ہو تو دوبارہ پھر وہی عمل کریں۔
 ☆ اگر مریض کچھ پینے کے قابل ہو تو اس کو ٹھنڈا مشروب دیا جاسکتا ہے۔
 ☆ کسی قسم کی دوائ نہ دی جائے۔
 ☆ فوری ڈاکٹر سے رجوع ہوں۔

﴿..... آنکھ میں کیمیائی مخلول کا گرنا.....﴾

☆ ان کی وجہ سے آنکھ میں مستقل نقصان ہی نہیں بلکہ بینائی سے بھی محروم ہو سکتے ہیں۔ اس لئے علاج بہت جلد شروع ہونا چاہئے۔ سب سے پہلے مخلول کو پتلا کرنے کا کام کریں۔ مریض کو چٹ لٹا کر انگوٹھے او رشہادت کی انگلی سے پونے کو پھیلائیں اور ناک کی جانب سے دوسری جانب ٹھنڈا پانی مسلسل ڈالتے رہیں۔ جس کی وجہ سے کیمیائی مخلول پتلا ہو جائے گا۔ دوسری آنکھ میں مخلول کے پہنچنے سے روکنے کے لیے سر کو ایک جانب



تھوڑا سا گھوما کر پانی ڈالیں۔

☆ پپوٹوں کو بار بار جھپکنے کی وجہ سے محلول اندرونی حصہ کو متاثر کئے بغیر باہر آجاتا ہے۔
☆ آنکھ کو دھونے کا عمل کم از کم دس منٹ تک ہو۔ اس کے لیے گھڑی دیکھتے ہوئے عمل کریں۔ کسی بھی طرح دس منٹ سے کم نہ ہو۔

☆ آنکھ کو دھونے کے بعد پپوٹوں کو بند کر کے آنکھ پر صاف ستھرا کپڑا رکھیں۔

☆ مریض کو ہمت دلاتے ہوئے دوا خانہ لے جایا جائے۔

..... برقی شاک لگنا.....

یہ ظاہری طور پر چھوٹا نظر آتا ہے لیکن اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔ برقی شاک کی جسم کے اندر داخل ہو کر باہر نکلتا ہے۔

☆ مریض کو چاہئے کتنی ضرورت کیوں نہ ہو۔ سب سے پہلے برقی سوئچ کو بند کریں یا پلک نکال دیں۔
جس سے برق کا گذرنا بند ہو جاتا ہے۔

☆ مریض اگر پانی میں ہو تو آپ بھی مریض سے دور رہیں۔ گیلے مقام پر برقی تیزی کے ساتھ پھیلتی ہے۔
اس لئے اس کو بغلوں میں ہاتھ دے کر باہر نکالا جائے۔

☆ مریض کی حالت کا اندازہ کیا جائے۔ برقی قوت سینہ اور دل تک پہنچ کر دل کو روک سکتی ہے۔ اس لئے دل کو قریب رکھ کر منہ کو زور زور سے دبائیں۔

☆ مریض کو فوری امداد پہنچائی جائے۔

عام بیماریوں کے بارے میں کس طرح مدد پہنچائی جائے جانیں گے

قئے و دست (اسہال):۔

☆ بڑی مقدار میں مشروبات کی شکل میں غذا پہنچائی جائے۔

☆ گنا کھلایا جائے۔



☆ORS کا محلول دیا جائے۔

☆پانی کی بہت زیادہ مقدار دی جائے۔

☆اگر جسم میں پانی کی کمی ہو جائے تو آنکھ میں سفیدی پڑھ جاتی ہے۔ تب فوراً ڈاکٹر سے رجوع ہوں۔

2۔ پھوڑے:-

☆پھوڑوں کو گرم پانی سے دھو کر روئی سے صاف کریں۔

☆Anti Septic Cream لگائیں۔

☆زخم کی صفائی کے بعد بیئڈج باندھے۔

3۔ خارش:-

☆ہر روز صابن سے پانی نہلا یا جائے۔

☆بنزین بنجیوٹ امیلشن گما جسم پر ملا کر جائے (سوائے سر اور گردن کے)

☆بنزین بنجیوٹ امیلشن کو کم از کم 24 گھنٹے تک اسی طرح رہنے دیں۔

☆دوبارہ پھر صابن کے پانی سے نہلا یا جائے۔

☆اسی طرح تین دن تک عمل کیا جائے۔ اگر کم نہ ہو تو ڈاکٹر سے رجوع ہوں۔

4۔ داد، کھلی، جلد پردھے:-

☆صابن کے پانی سے نہلا یا جائے۔

☆جلد کو صاف کریں۔

☆بنزویک سالوسک انٹیمینٹ Benzoic Solosic Ointment لگایا جائے۔

☆کپڑوں کو صاف دھوئیں اور صاف کپڑے پہنیں۔

☆ڈاکٹر سے رجوع ہو کر ڈاکٹر کے مشورے سے گولیاں کھائی جائیں۔

5- کان کا درد:-

☆ Salfa Sodmide سلفاسٹ مائیڈ کے قطرے کان میں ڈالے جائیں۔
☆ اگر مریض کو بخار ہو یا کان میں کچھ موجود ہو تو فوری ڈاکٹر سے رجوع ہوں رکریں۔

6- خون کی کمی (انیمیآ):-

☆ کھانا کھانے کے بعد آئرن یا فولک ایسیڈ کی گولیاں دیئے جائیں۔
☆ سانس لینے میں اگر تکلیف ہو رہی ہو تو ڈاکٹر کے پاس لے جایا جائے۔

7- ہونٹوں کا پھٹنا۔ ہونٹوں کا سفید ہونا:-

☆ کولڈ کریم یا وِسلین (Vaseline) ہونٹوں پر لگایا جائے۔
☆ B. Complex، وٹامن کا مپلکس ابلے چاول، پتے والی ترکاریوں، مرغی کے انڈوں اور دودھ میں بڑی مقدار میں پایا جاتا ہے۔ اس کا استعمال زیادہ کروایا جائے۔

8- منہ کی بدبو، دانت میں کیڑ، دانتوں کا پیلا پن:-

☆ نمک کے پانی سے کلی کریں۔
☆ لونگ کو چباتے رہیں۔
☆ منہ کی صفائی کرتے رہیں۔ برش سے صاف کرتے رہیں۔

9- سر میں جوڑوں کا ہونا:-

☆ Gama Benene Hexa Chloride (گامبنزین ہگاس کلورائیڈ) بالوں میں لگائیں۔
☆ سر میں لگانے کے بعد کپڑے یا توال سے سر کو اچھی طرح لپیٹ لیں۔
☆ دوسرے دن صبح ریتھوں کے پانی سے نہانا۔
☆ باریک دندانوں کے کنگھے سے کنگھی کریں۔

زہر کے اثر کو کم کرنے والی مدد اور اس کے عام اصول:-

☆ فوری ڈاکٹر کو اطلاع دی جائے۔ مریض کی حالت کا اگر علم ہو تو وجوہات بتلانا۔ طبی جانچ کے لیے متعلقہ اشیاء کو محفوظ رکھیں۔

☆ بچی ہوئی اشیاء کو محفوظ رکھیں۔

☆ زہر کی نوعیت کا پتہ لگانے کے لیے وہاں موجود ڈبے، شیشی، بوتل وغیرہ تلاش کریں۔
☆ قے نہ کروائی جائے۔

☆ مریض اگر بے ہوش ہو تو.....

مریض کو اوندھا لٹا دیا جائے۔ سر کو ایک طرف گھما کر رکھیں۔

چہرے کے نیچے کچھ نہ رکھیں تاکہ قے سے نکلنے والی اشیاء سانس کی نلی میں داخل نہ ہو۔

زہر کے اثر سے زبان بھی سانس کے راستہ میں رکاوٹ بن سکتی ہے۔

الٹیاں یا قے بہت زیادہ ہو رہے ہوں تو مریض کے ایک پیر کے اوپر دوسرا پیر رکھنا چاہئے۔ اس کے

لیے مریض کو کروٹ لٹایا جائے۔ اوپر کے پیر سے سینے تک تکیہ کو رکھیں۔

سانس لینے میں تکلیف زیادہ ہو تو ڈاکٹر کے آنے تک یہی طریقہ اپنائیں۔

☆ مریض کے زہر کھانے کے بارے میں معلومات ہو تو.....

سب سے پہلے قے کے ذریعہ زہر کو باہر نکالنے کی ضرورت ہے۔ ایک چمچہ یا دو انگلیوں کو گلے میں

رکھ کر قے کروائی جائے۔ قے کروانے کے لیے دو بڑے چمچے نمک کو ایک گلاس بھر پانی میں حل

کر کے مریض کو پلایا جائے۔

﴿ان حالات میں قے نہ کروائی جائے﴾

1- مریض متاثرہ بے ہوشی کی حالت میں ہو۔



2- مریض کے ہونٹوں یا زبان جھلس جانے کی صورت میں یا کیمیائی مادے گرتے ہیں تو پیلے یا سرمئی دھبے آجاتے ہیں تو اس کی پہچان ہے۔

اس کے بعد زہر کا توڑ (تریاق) دیا جائے۔ اس سے مریض کی حالت میں سدھا رہتا ہے۔ مثلاً سفید مٹی کا سفوف یا میکینیشم کے محلول چند زہروں کے لیے مفید ہیں۔

اس کے بعد بڑی مقدار میں پانی پلایا جائے۔ جس سے زہر کا اثر بہت حد تک کم ہو جاتا ہے۔ مرض کسی حد تک کم ہو جانے کے بعد ایک گلاس میں دودھ، بارلی کا پانی، کچا انڈا اور انڈے میں پانی ملا کر مریض کو دیا جائے۔

کتا کاٹنے پر امداد

☆ پالتو کتوں کو کسی بھی حال راہبیز کے ٹیکے ڈلوائے جائیں۔ اس سے آپ کو یا دوسروں کو کچھ بھی نہیں ہوگا۔

☆ کتے کے کاٹنے پر فوری امداد کی ضرورت لاحق نہیں ہے۔ فوری طور پر TT کا انجکشن دلوائیں اور

زخم کی جگہ کو صاف کر کے ایک دو روز کے بعد بھی علاج شروع کیا جاسکتا ہے۔

☆ کتے کے کاٹنے کے انجکشن تمام سرکاری دوا خانوں میں مفت دستیاب ہوتے ہیں۔

☆ اگر دوا خانوں میں موجود نہ ہو تو مقامی اداروں اور تنظیموں کی مدد سے راہبیز کے ٹیکے رکھوائیں۔

﴿کتے کے کاٹنے کے ڈر سے بھاگ کے حادثہ﴾

☆ کتے کو دیکھتے ہی بھاگنے سے حادثہ ہو سکتا ہے۔

☆ کچھ بچے شرارت یا مذاق میں سوئے ہوئے کتوں کو پتھر مارنے پر بھی حادثات ہو سکتے ہیں۔

☆ کتا ایک وفادار جانور ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ لیکن دیوانے کتے پر پاگل کتے کے کاٹنے پر

راہبیز کے ٹیکے لینا نہ بھولئے۔ گلی کے کتوں، پالتو کتوں سے بھی حادثات واقع ہو سکتے ہیں۔ تب بھی ٹیکہ ضرور

لگوائینا چاہئے۔

☆ گلی کے کتوں سے ڈر ہو سکتا ہے لیکن پالتو کتوں سے چھوٹے چھوٹے بچے کھیلتے ہیں اس وقت اس بات

کا خیال رکھا جائے کہ کتابچوں کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔

تمام کتے پاگل نہیں ہوتے.....

☆ پالتو کتوں سے کھیلتے ہوئے بچوں کو احتیاط برتنی چاہئے۔ کھیلتے ہوئے ٹسکٹ کھلاتے ہوئے ہاتھ کو کتے کے منہ میں نہ جانے دیا جائے۔ انہیں غذا کھلانے والے برتنوں کو علیحدہ رکھیں جائیں۔

☆ تمام کتے پاگل نہیں ہوتے۔ گلی کے کتوں کو کچھ وقفہ تک دیکھا جائے۔ عام طور پر دس بارہ دنوں تک معمول کے مطابق ہو تو یہ سمجھا جائے کہ یہ نقصان پہنچانے والا نہیں ہے۔

☆ اس سے قبل کتے کے کاٹنے پر ناف (Navel) کے اطراف انجکشن دیا جاتا تھا۔ لیکن اب ایسا نہیں ہے۔ 0-3-7-28 ویں دن صرف 14 انجکشن عام طور پر جس طرح لیا جاتا ہے اس طرح لیا جاسکتا ہے۔

برقی شاک لگنا و پانی میں غرق ہونا برقی شاک

امداد:-

متاثرہ کو چھونے یا ہاتھ لگانے سے قبل برقی سپلائی بند کیا جائے۔
اگر سانس لینے میں دشواری ہو رہی ہو تو سانس بحال ہونے کی حالت میں لٹایا جائے۔
اگر متاثرہ کی سانس رک رہی ہو تو فوراً منہ کے ذریعہ سانس دی جائے۔ سر کو نیچے اور پیر کو اوپر کر کے دیکھا جائے۔

فوری علاج کے لیے ایبولنس کو بلانے کو فوقیت دی جائے۔

پانی میں غرق ہونا۔ امداد.....

سانس کے راستے کو صاف کیا جائے۔ متاثرہ شخص کا دل جل رہا ہے یا نہیں دیکھا جائے۔



سائنس اگر رک گئی ہو تو منہ کے ذریعہ سائنس دینے کی کوشش کی جائے اور دل کی طرف زور سے دبایا جائے۔
 اگر پیٹ میں پانی چلا جائے تو پیٹ کو زور سے دبا کر پانی نکالا جائے۔ اگر ہو سکتے تو سر کو نیچے اوپر پیر
 کرتے ہوئے بھی پانی نکالا جاسکتا ہے۔
 طبی سہولت کی خاطر فوراً ایمبولنس کو بلا یا جائے۔

﴿سانپ کے کاٹنے پر امداد.....﴾

عام سانپ زہریلے نہیں ہوتے:

بہت سارے سانپ کے اقسام غیر زہریلے ہوتے ہیں۔ دھاری دار سانپوں کے اقسام میں
 صرف 15 فیصد سانپوں کے کاٹنے پر ہی علاج کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ تمام سانپوں کے کاٹنے سے خطرہ لاحق
 نہیں ہوتا ہے۔ تقریباً 50 فیصد سانپ غیر زہریلے ہوتے ہیں۔ عام طور پر سانپ کے کاٹنے سے زیادہ متاثرہ
 مریض خوف و ہیبت سے ہی اپنی جان کو خطرہ میں ڈال لیتا ہے۔ گھر کے افراد بجائے دلاسہ دینے کے مزید چیخ
 و پکار کر کے متاثرہ مریض کو اور زیادہ ہیبت طاری کرواتے ہیں۔

سانپ کے کاٹنے پر:

☆ خوف کو طاری ہونے دیا جائے۔ جس کی وجہ سے خون کا دباؤ بڑھ کر زہریلی سے پھیلنے کا خطرہ ہو سکتا
 ہے۔ دوست احباب مریض کو ہمت دیں۔

☆ قریب میں موجود لوگ سانپ زہریلا ہے یا نہیں معلوم کرنے کی کوشش کریں جس کی وجہ سے عاں صحیح
 صحیح علاج کیا جاسکتا ہے۔

☆ جڑی بوٹیاں اور پھونک، منتر وغیرہ کے چکر میں دیر نہ کریں۔ جتنا جلد ہو سکے مریض کو دو اخانہ لے
 جایا جائے۔ آٹو، ایمبولنس، اسکوٹر کم از کم پلنگ پر لٹا کر مریض کو جلد دو اخانہ پہنچائیں۔ مریض کو نہ چلائیں۔
 ☆ تمام دیہاتیوں کو 108 ایمبولنس مفت سہولت فراہم ہے۔ اس کا فائدہ اٹھائیں۔



☆ سانپ کے کاٹنے پر چند لوگ زخم کو اور زیادہ گہرا کرتے ہیں۔ خون کے ساتھ زہر بھی نکل جاتا ہے سمجھتے ہیں، چاقویا بلیڈ سے کاٹتے ہیں، اس طرح نہ کریں۔ کبھی کبھی سانپ کے کاٹنے سے زیادہ زخم خطرناک ہو سکتا ہے۔ سائنٹفک علاج ہی جلد سے جلد کروایا جائے بہتر ہے۔

☆ چند لوگ فلمی ہیرو کی طرح سانپ کے کاٹے ہوئے مقام پر رمنہ سے کاٹ کر چوستے ہیں۔ سانپ کے کاٹنے ہی زہر خون کے ساتھ تیزی کے ساتھ تمام اعضاء اور دل تک پہنچ جاتا ہے۔ اس لئے اس کا کوئی فائدہ نہیں۔

☆ تمام سرکاری دوا خانوں میں سانپ کے کاٹنے کا مفت علاج کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر کو مریض کے بارے میں قبل از اطلاع دینے پر جلد ہی صحیح علاج کرنے کا موقع ہوتا ہے۔



8- عالمی خاندان

- I- اہم قدر : تہذیب و رواج کا احترام
 II- ذیلی قدر : عالمی خاندان کا تصور
 III- متوقع نتائج مقصد :

دنیا کے تمام انسانوں کو واحد خاندان کے طور پر تصور کرنا۔
 میں، مپرا جیسے تنگ نظری کے جذبہ تصور کو ہمہراہ جیسے جذبہ تصور سے فروغ دینا۔
 VI- تمہید:

یہ میرا اپنا ہے اور وہ غیر کا ہے۔ جیسی تفریق کم عقل انسان ہی کر سکتا ہے۔ وسیع النظر انسان سمجھتا ہے کہ ساری دنیا کے انسان ایک ہی خاندان کے ہیں۔ یعنی تمام انسانوں کو یکساں نظر سے دیکھتا ہے۔ کم فہم اور وسیع النظر انسان کے درمیان بہت بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ کم عقل انسان کی سوچ محدود ہوتی ہے۔ وسیع النظر انسان کی سوچ بھی اعلیٰ ہوتی ہے۔ کم عقل انسان کے حدود بھی محدود ہوتے ہیں۔ ”یہ میرا اپنا ہے“ میرے مذہب کا ہے، میرا قریبی رشتہ دار ہے۔ اس طرح کی اس کی سوچ ہوتی ہے اور سماج کے متعلق بالکل اس کو کوئی دلچسپی نہیں ہوتی ساری انسانیت کا تعلق ایک ہی خاندان سے ہے۔ ایسا وسیع النظر انسان ہی سوچ سکتا ہے۔ اس طرح کا تصور موجودہ دور میں ہر ایک انسان میں ہونا ضروری ہے۔

بچو! اس طرح کے عالمی خاندان کے بارے میں مزید تفصیلات جانیں گے۔



۷- موضوع:

☆ نیوکلیئر ہتھیاروں کی وجہ سے دنیا کو ایک کیڑسا لگ گیا ہے۔ دنیا کی تباہی ہو رہی ہے۔ اس لئے نیوکلیئر ہتھیاروں کے خاتمہ میں دنیا کے ممالک دلچسپی لے رہے ہیں۔

☆ صومالیہ ایک بہت ہی چھوٹا ملک ہے۔ جو غذائی قلت کی وجہ سے پریشان حال ہے۔ دنیا کے ممالک اس ملک کی مدد کرنے کے لیے آگے آرہے ہیں۔ ہمارا ملک بھی بہت زیادہ مدد کی ہے۔

☆ طوفان، سیلاب، زلزلے وغیرہ مختلف ممالک میں تباہی مچا رہے ہیں۔ ان ممالک میں آنے والے آفات سماوی سے عوام کا تحفظ کرنے کے لیے مختلف ممالک مدد کے لیے آگے آرہے ہیں۔

☆ عالمی ماحولیاں کی حالت میں آئی تبدیلی کی وجہ سے درخت، جانور، دریاں آہستہ آہستہ معدوم ہو رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے عالمی ماحولیاتی سائنس دان تشویش کا اظہار کر رہے ہیں۔ زندہ ندیوں کا تحفظ کرنے کے لیے تمام ممالک کے سائنس دانوں نے متنبہ کیا ہے۔ اس کے لیے حیاتی تنوع پر ایک اجلاس حیدرآباد میں یکم اکتوبر تا 19 اکتوبر 2012ء کا انعقاد عمل میں آیا۔ اس اجلاس میں تمام ممالک نے حیاتی تنوع کا تحفظ کرنے کے لیے قرارداد منظور کی ہے۔

☆ ساری دنیا کو دہلا دینے والی دہشت گردی ہے۔ دہشت گردی کے خاتمہ کے لیے مختلف ممالک ملکر کام کر رہے ہیں۔

☆ جس کی وجہ سے تمام عالمی ممالک کی عوام خوف و دہشت کے ماحول میں زندگی گزار رہی ہیں دہشت گردی کا خاتمہ کر کے امن و امان کو قائم کرنے کے لیے عالمی ممالک مل کر کوشش کرنا چاہئے۔

VI: (الف) غور کرنا - رد عمل کا کرنا

- 1- مندرجہ بالا نکات سے آپ نے کیا سیکھا ہے؟
- 2- ایک ملک میں ہونے والی اچھائی برائی سے متعلق دیگر ممالک کیوں رد عمل کا اظہار کریں؟

- 3- تمام دنیا کو ایک خاندان کا تصور کرتے ہوئے عوام الناس خوشحال اور پرامن زندگی گزارنے کو ہی عالمی خاندان کا تصور کہا جاتا ہے۔ موجودہ دور میں ہر ایک کو عالمی خاندان کا فہم ہونا چاہئے۔ اس کی آپ کس طرح تائید کریں گے۔
- 4- ”عالمی خاندان کے تصور“ اس تصور کے برخلاف عالمی طور پر نکات کون کون سے ہیں۔ اس طرح کیوں ہو رہا ہے۔
- 5- عالمی خاندان کے تصور کو فروغ دینے کے لیے ہمیں کن خصوصیات کا حامل ہونا چاہئے۔ فہرست تیار کیجئے۔

(ب) عمل کرنا۔ تجربات بیان کرنا

عالمی انسانیت کے تحفظ کے لیے ”عالمی خاندان کے اقدار“ کے لیے کام کرنے والے ادارے، افراد سے معلق تفصیلات اکٹھا کیجئے۔ مظاہرہ کیجئے۔

..... چاہیے.....

”میں“ ”میرا“ جیسے محدود خیالات سے ہم زندگی نہیں گزار سکتے ہیں۔ بلکہ ”ہم“ جیسے وسیع القلسی کو بڑھانا چاہئے۔ آفاقی محبت کو فروغ دیں۔ ویسے لوگ ہی شرفاء کہلاتے ہیں۔ قرآن مجید اور احادیث میں کئی جگہ پر صدقہ و خیرات، ہمدردی، درگزر کرنا، صبر، محبت اور دوسروں کے کام آنے کی تلقین کی گئی ہے۔

پہلے سے چلے آ رہی رواج، فرائض، ذمہ داریاں، سماجی تعلقات پر عمل کرنا ہمارا قدیم اثاثہ ہے۔ خاندانی ذمہ داریاں، دوست احباب سے تعلقات کس طرح ہوں.....؟ انسانوں کے درمیان، سماجی سوسائٹیوں کے درمیان، ممالک کے درمیان فہم، ایک دوسرے کی مدد، جیسے خصوصیات فروغ کس طرح ہوں.....؟ ہمارا مذہب ان تمام کی وضاحت کرتا ہے۔



ہمارا طرز زندگی عیدین، مقدس مقامات کی زیارت ہی نہیں بلکہ تمام نکات کی طرح لافانی ہیں۔ ان کا تحفظ اور آنے والے نسلوں تک ان روایاتوں کو پہنچانا ہمارے لیے باعث فخر ہے۔

یہ عالمی خاندان کا تصور رکھنے والی قوم ہندوستانی ہے۔ ساری دنیا ایک ہی خاندان ہے اور تمام ممالک میں پائے جانے والے علم کو ہم دوسروں تک پہنچانے والی قوم ہندوستانی ہے۔

ساری دنیا کی انسانیت کے لیے کارآمد کوئی بھی علم سب قبول کرتے ہوئے تمام لوگ ایک ہی سطح پر ترقی کریں۔ ہمارے پاس موجود علم پر عمل کرتے ہوئے اسی کو ساری انسانیت تک پہنچانے کے قابل علم کو ہم سب میں تقسیم کرتے ہوئے ہم ایک ہی خاندان کے ہیں جیسے تصور کو بڑھائیں ہم ایک دوسرے کو بھائی سمجھتے ہوئے اگر کوئی مسائل آتے ہوں تو بحث و مباحثہ کے ذریعہ حل تلاش کرتے ہوئے اتحاد و اتفاق کے نعرے کو بلند کریں۔

موسیقی اور ادب کے نکات کو ایک دوسرے سے تبادلہ کرنے پر عالمی خاندان کے تصور کو تقویت ملتی ہے۔ اور اس طرح کی سوچ غلط نہیں ہے۔ یہ تصور دنیا میں پائے جانے والے ذات اور مذہب کے نام پر حائل دیوار کو ختم کر دیتا ہے۔ کونسی ذات، کون سا مذہب جیسے تصور کے بغیر انسان سب ایک ہیں کے جذبہ کو فروغ دینے کی ضرورت ہے۔

ہم سب کا ایک ہی نعرہ ”انسانیت“ ہے جسے تصور کے پائے جانے پر ہی عالمی خاندان کا فہم ہے۔ دنیا کے تمام اقوام کی تہذیب و رسم و رواج کا قدر کرتے ہوئے تمام مذاہب کا احترام کرتے ہوئے دنیا کے انسان ایک ہی ہیں کے تصور کو فروغ دیں۔

ہمارا ملک ہندوستان دنیا کے ممالک میں خصوصی موقف رکھتا ہے۔ ہماری تہذیب اور رسم و رواج کو دیگر ممالک اپنانے کے لیے آگے آرہے ہیں یہ ہمارے لیے باعث فخر ہے۔ دوسروں کا احترام کرنا، خاندانی نظام، ازواجی نظام کا تحفظ، ہماری تہذیب کا اظہار کے اہم نکات ہیں اتنا ہی نہیں ساری دنیا ایک ہی خاندان اور ساری دنیا کے انسان بھائی بھائی جیسے تصور کا فروغ ہی ”عالمی خاندان کا تصور“ ہے۔

میں اور میرا ملک جیسے محدود تصور سے باہر نکل کر میں اور میری دنیا اور ساری دنیا کے لوگ میرے دوست جیسے وسیع النظری کا پایا جانا ہے۔ عالمی خاندان کے تصور کی بنیاد ہے۔ عالمی خاندان کے فروغ کے لیے سب کے



ساتھ محبت، تعاون، ہمدردی، مل جل کر رہنا، جیسے ارتداد کے ساتھ زندگی گزارنے کی سخت ضرورت ہے۔
انسانی وجود ”میرا“ اور ”ہم“ کی جانب حرکت کرے۔ انسانی سفر اپنے خاندان تک ہی محدود نہ ہو کر عالمی
طور پر ہو۔ میں کس کے لیے زندگی گزار رہا ہوں.....؟ کیوں زندگی گزار رہا ہوں جیسے سوالات کا ہر کوئی
جواب تلاش کر لینے میں ہی ہمارے ملک کے کئی مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

راستہ چلنے والے ایک بزرگ سے جب یہ پوچھا گیا آپ کس کے لیے جی رہے ہیں.....؟ آپ کی منزل
کیا ہے.....؟ تو اس شخص نے ہنستے ہوئے جواب دیا کہ میں ہی نہیں ہر کوئی اپنے لیے ہی جیتتا ہے۔ میں اپنے لیے
کھانا کھاتا ہوں، پانی پیتا ہوں، سانس لیتا ہوں، ٹھیک ہے۔ جب یہ پوچھا گیا کہ آج آپ نے جو کام کئے ہیں
وہ کس کے لیے کئے گئے ہیں.....؟ اس شخص نے جواب دیا کہ میں شام گھر جاتے ہوئے اپنی اہلیہ کے لیے ساڑھی
اور چوڑیاں خرید رہا ہوں۔ بچوں کے لیے پھل لیا ہوں۔ یہ سب کون ہیں..... اس شخص کا خاندان۔
وہ بزرگ شخص جس طرح پہلے کہا تھا کہ وہ اپنے لیے جی رہا ہے، لیکن وہ اپنے خاندان کے لیے بھی جی رہا
ہے۔ یعنی اس کا سفر میں سے میرے خاندان کی جانب ہے۔

یہ واقعہ دیکھئے!

ایک گاؤں ہے۔ فصل کے کٹوائی کے بعد کسانوں کے پاس رقم ہوتی ہے۔ مارچ کا مہینہ آ گیا گاؤں
میں چوریاں ہونا شروع ہو گئیں۔ گاؤں کے نوجوان، ضعیف افراد سب مل کر ایک میٹنگ کی اور رات میں گاؤں کی
نگرانی کرنے کے لیے قرارداد منظور کی۔ مارچ لائٹ اور لائٹیاں خریدنے کے لیے ایک آدمی کو روانہ کیا گیا۔ چار
چار آدمیوں کا ایک گروپ بنا کر رات میں گلیوں میں گشت کرنا طے کیا گیا۔

ایک دن چار نوجوان کی باری آئی۔ ان میں سے تین لوگ حاضر ہوئے اور ایک غیر حاضر رہا اور جب اس
سے وجہ پوچھی گئی تو اس نے کہا کہ آج مجھے کام ہے۔ آج آپ لوگ ہی جائیے۔ گاؤں میں جب کوئی آفت آئے
اور گاؤں محفوظ ہو تو میرا گھر بھی محفوظ رہے گا۔ یہ بات اس شخص کو سمجھ میں آنا چاہئے۔ میں اپنے سماج کے لیے بھی
جی رہا ہوں اس کو ذہن نشین رکھنا چاہئے۔



ایک اور واقعہ دیکھئے!

دہلی میں ایک فوجی کی دوستی ایک بیرونی شہری سے ہوتی ہے۔ ایک دن بیرونی شہری نے اس فوجی سے کہا آپ کو ایک راز معلوم ہے۔ یہ میں جانتا ہوں اگر آپ اس راز کو مجھ تک پہنچاتے ہیں تو میں تمہیں ایک کروڑ روپے دوں گا۔ میں میرے لئے ہی جی رہا ہوں۔ اگر فوجی ایسا سمجھتا ہے تو وہ بیرونی شہری کے پیش کش پر راضی ہو جائے گا۔ اور اگر وہ یہ سمجھتا ہے ”میں اپنے دلش کے لیے“ ”عوام کے لیے“ جی رہا ہوں تب فوری وہ اپنے اعلیٰ عہدیداروں کے علم میں یہ بات لائے گا۔

ساری دنیا میرا خاندان جیسا تصور رکھنے والے کروڑوں کے فائدے کے لیے اشیاء میں ملاوٹ نہیں کرتے ہیں۔ عوام پر حکمرانی کرنے والے قائدین تغلب و تصرف نہیں کرتے ہیں۔ عوام کی سہولت کو نقصان پہنچانے والا کوئی کام نہیں کرتے۔ اسی لیے عالمی قائدین کے تصور عوام کو چین و سکون سے زندگی گزارنے کے لیے مددگار ہوتا ہے۔



9۔ حیاتیاتی تنوع

- اہم قدر : ماحول کا تحفظ
 ذیلی قدر : حیاتیاتی تنوع کے توازن کا تحفظ
 متوقع نتائج :
- حیاتیاتی تنوع کے توازن کا فہم حاصل کریں گے۔
 حیاتیاتی تنوع کے توازن کے تحفظ کی کوشش میں اپنا حصہ ادا کریں گے۔
- VI: تمہید:

دنیا میں موجود ہر جاندار کو جینے کا حق حاصل ہے۔ آج سائنسی مواصلاتی علم میں اضافہ کی وجہ سے پیدا شدہ حالات، اور انسانوں کے غیر دانشمندانہ عمل کی حصہ وجہ سے ہزاروں جاندار ناپید ہو رہے ہیں۔ فطرت میں موجود ہر جاندار فطرت کے توازن کے تحفظ میں اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ ان کے ضائع ہونے کی وجہ سے فطرت کے توازن کا نقصان ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے کئی مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ مستقبل میں انسان کی بقاء کا چیلنج درپیش ہو سکتا ہے۔ اس کے تدارک کے لیے حیاتیاتی تنوع پر اور اس کے تحفظ کے لیے طلباء کے فہم کو فروغ دینے کی ضرورت ہے۔

V: موضوع

وہ ایک دور دراز کا دیہات ہے۔ اس دیہات کے لیے آمدورفت کی سہولت نہیں ہے۔ اس گاؤں سے دوسرے گاؤں تک جانے کے لیے جنگل کے راستہ گزرنا پڑتا ہے۔ تعلیم حاصل کرنے والے طلباء ہائی

اسکول جانا ہو یا بیمار علاج کے لیے جانا ہو انہیں جنگل میں سے ہی گذرنا پڑتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس دیہات کی عوام کو کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بہت ہی تگ و دو کے بعد اس دیہات کے سرینچ کی مدد سے حکومت سے سڑک کی ان لوگوں نے منظوری کروائی۔ اس دیہات کے لیے نئی سڑک آگئی وہاں کے لوگوں کے مسائل حل ہو گئے۔ لیکن جنگل میں سڑک کی تعمیر کی وجہ سے جنگل میں موجود بہت سے درخت کاٹے پڑے۔ جنگل کے وسائل کا نقصان ہوا۔

واقعہ نمبر 2:-

سائنسی و مواصلاتی میدان میں ترقی کی وجہ سے سل فون انسانوں کی اشیائے ضروریہ میں تبدیل ہو گیا۔ ان سل فون کے کام کرنے کے لیے کئی مقامات پر سل ٹاورس لگائے گئے۔ ان سل ٹاورس سے نکلنے والے ریڈیشن کی وجہ سے ”خان چڑیا“ معدوم ہو گئے۔

واقعہ نمبر 3:-

شہروں کو صنعتیانی کے حصہ کے طور پر شہر کے لیے 2 صنعتیں منظور کی گئی ہیں۔ چند لوگوں نے خوشی کا اظہار کیا۔ ان صنعتوں کی وجہ سے کچھ حد تک بے روزگاری دور ہوگی۔ ان صنعتوں کے قیام کے لیے شہر کے مضافات میں زمین کا انتخاب کیا گیا۔ ان مقام پر موجود درخت، پودے وغیرہ کو کاٹنا پڑا۔ اس صنعت کے کارکرد ہونے کے بعد اس صنعت سے خارج ہونے والے فاضل مادوں کو قریب میں موجود تالاب میں چھوڑا گیا جس سے تالاب کا پانی زہر آلود ہو گیا۔

واقعہ نمبر 4:-

رام پور نامی دیہات کو کچھ عرصہ میں کھیتوں کے قریب بہت زیادہ سانپ نظر آنے لگے۔ ان سانپوں سے بچے خوفزدہ ہو رہے تھے۔ اسی لیے اس دیہات کے لوگ سانپ کے نظر آتے ہی اس کو ختم کر دینا شروع کیا۔ اس سال ان کے فصلوں کی پیداوار بہت ہی گھٹ گئی۔ وجوہات معلوم کرنے پر یہ بات سمجھ میں آئی کہ سانپوں کے نہ ہونے کی وجہ سے چوہوں کی تعداد بڑھ گئی اور وہی فصلوں کو نقصان پہنچائے۔ جس کی وجہ سے پیداوار کم ہو گئی۔



واقعہ نمبر 5:-

سابق میں ہمارے ملک سے مینڈک کے پیروں کو یورپ، مشرقی امریکہ ممالک کو درآمد کیا جاتا تھا۔ 1983ء میں امریکہ، فرانس، یورپی ممالک کوٹنوں میں مینڈک کے پیروں کو درآمد کیا گیا۔ مینڈکوں کو ختم کرنے کی وجہ سے ان کی تعداد بہت ہی گھٹ گئی تھی جس کی وجہ سے مینڈکوں کی غذا کیڑے مکوڑے، حشرات کی تعداد بے تحاشہ بڑھ گئی۔ سائنسدانوں کے مطابق ان حشرات اور کیڑے مکوڑے کی بہتات کی وجہ سے بہت سے نقصانات ہو رہے تھے۔ حکومت ہند نے 1987ء میں مینڈک کے پیروں کی درآمد پر پابندی لگا دی۔

VI: (الف) غور کرنا - رد عمل کا کرنا

- 1- درجہ بالا واقعات سے آپ نے کیا سیکھا ہے؟
- 2- حیاتی تنوع کا آپ نے کیا مطلب سمجھا ہے؟
- 3- ”انسانوں کے ساتھ دیگر جاندار بھی مل کر زندگی گزاریں“ یہ کس حد تک ممکن ہے بحث کیجئے؟
- 4- کسی جاندار کے مفقود ہونے کی کیا وجوہات ہو سکتی ہیں؟

(ب) عمل کرنا۔ تجربات بیان کرنا

●● آپ کے علاقہ میں ماضی میں جانور، درخت، پرندے کہاں کہاں پائے جاتے تھے۔ آپ کون کونسے جاندار مفقود ہو چکے ہیں۔ ان کی تفصیلات حاصل کیجئے۔ کیوں مفقود ہوئے ہیں معلوم کیجئے۔ اپنے تجربات کو بیان کیجئے۔

انسانیت کا عظیم جرم!

دنیا میں تمام جاندار حیاتی تنوع کا حصہ ہے۔ خوردبینی اجسام سے لے کر حشرات تک اور درختوں سے لے کر جانوروں اور آبی جانداروں تک دنیا میں پائے جانے والے تمام جاندار ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہوئے اپنی زندگی گزارتے ہیں۔ لیکن انسانی خیالات فطرت کی بقاء کے برخلاف کام کر رہی ہیں۔ جس کے نتیجے میں حیاتی تنوع کا توازن بگڑ رہا ہے۔ آب و ہوا میں تبدیلی، اور آفات سماوی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس طرح کے منفی نتائج نکل رہے ہیں۔ زمین پر موجود جانداروں میں دو تہائی سے زائد مفقود ہو جانے کا اندیشہ پیدا ہو گیا ہے۔

خواب غفلت میں رہیں گے تو خطرہ ہے!

اقوام متحدہ کے قرارداد 1993 کے مطابق دنیا کے تمام ممالک کی حکومتوں نے حیاتی تنوع کے تحفظ کا تین دیا ہے لیکن عملی طور پر کئی ممالک اس جذبہ کے برخلاف کام کر رہے ہیں۔ اس معاملہ میں ہمارا ملک ہندوستان بھی پیچھے نہیں ہے۔ ترقیاتی منصوبہ کے نام پر سمندروں، دریاؤں، دلدلی زمین اور جھیلوں میں موجود نایاب جانداروں کے ٹھکانوں کو ختم کیا جا رہا ہے۔ جنگلوں کی کٹاؤنی، جنگل کے جانوروں کا شکار، سمندروں کے آبی جانوروں کا خاتمہ، اس طرح حالات دن بہ دن خراب ہوتے جا رہے ہیں۔ دلدلی زمین، گھنے جنگلات کی تباہی کی وجہ سے نایاب جانداروں کی بقاء کو خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ دنیا کی آبادی چھ سو کروڑ سے تجاوز کر چکی ہے اور دن بہ دن بڑھ رہی انسانی ضرورتوں کے لیے جنگلوں کو تباہ کیا جا رہا ہے۔ ماضی میں زمین پر 3.4 کروڑ مربع کیلومیٹر پر جنگلات پھیلے ہوئے تھے۔ اب اس کی وسعت نصف سے بھی کم ہو گئی ہے۔ امریکہ کے مشہور تحقیقاتی ادارہ ’دی ورلڈ ریسورس



انسٹی ٹیوٹ“ کی جانب سے کی گئی تحقیقات نہایت ہی خطرناک اشارے دے رہی ہے۔ اس ادارہ کے مطابق صرف 22% جنگلات ہی باقی رہے ہیں۔ ہر سال 1.6 کروڑ ہیکٹر جنگلات کاٹے جا رہے ہیں۔ نتیجہً جنگلات پر انحصار کرنے والے حیاتی تنوع کے اٹاٹے ختم ہو رہے ہیں۔ ماہرین ماحولیات نے تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ گذشتہ 100 سالوں میں ہر سال تقریباً 20 جاندار ختم ہو رہے ہیں اور 75 فیصد جنیاتی فصلیں مفقود ہو گئی ہیں۔ 24 فیصد پستانے، 12 فیصد پرندوں کی قسمیں مفقود ہونے کے قریب ہیں۔ دورانہ لیشی ضروری ہے۔

ترقیاتی پراجیکٹس کے نام پر قیمتی حیاتی تنوع کے وسائل والے علاقوں کا خاتمہ روز بہ روز بڑھ رہا ہے۔ حکومت کی جانب بنیادی سطح پر جائزہ نہ لیا جانا۔ کمپنیاں کی غلط روداد ماحولیاتی اعتبار سے اہم مقامات کو غیر اہم اور ربیکار بتلا رہی ہیں۔ ماحولیاتی اور جنگلاتی اداروں سے اجازت حاصل کر رہے ہیں۔ حیاتی تنوع بورڈ کے اراکین حقیقتاً ان تک نہیں پہنچ رہے ہیں۔ ان حالات میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہے۔ بہ حالت مجبوری اہم علاقوں میں ترقیاتی کام کرنا ضروری ہو تو نقصان کم سے کم کرنے کے لیے احتیاطی اقدامات کرنا چاہئے۔ ملک میں جنگلاتی، ساحلی علاقوں میں قیمتی حیاتی تنوع کی دولت زیادہ ہے۔ ان جنگلاتی اور ساحلی علاقوں پر روایتی طور پر قبائلی اور رچھیرے انحصار کرتے ہیں۔ جنگلات کے قبائلی عوام کی اکثریت قدرتی کھاد کے زرعی طریقوں کو استعمال کرتے ہیں۔ پرانے بیج کے استعمال کو ابھی بھی اہمیت دی جا رہی ہے۔ روایتی چھیرے اپنے شکار میں خوردبینی آبی جانداروں کو نقصان نہیں پہنچاتے۔ حیاتی تنوع کا تحفظ آدی واسی، چھیروں کے گروپ کی تہذیب کا حصہ ہے۔ عالمی اور قومی سطح پر حیاتی تنوع معاہدوں میں ان گروپس کی مسلسل زندگی کے اپنائے گئے طرز کا اظہار نظر آتا ہے۔ حیاتی تنوع کے تحفظ کے قانون کے تحت انتظامی کمیٹیوں میں ان کی حصہ داری کو بڑھانے کے لیے حکومت کوشش کرے۔ حیاتی تنوع کے وسائل کے تحفظ میں ہر ایک کو اپنا حصہ ادا کرنے کے لیے نئی حکومتیں حکمت عملی تیار کریں۔ اس کے لیے ہر ایک کو باشعور بنانے کے لیے کمر کسنا چاہئے۔ جس کی وجہ سے عارضی طور فوائد حاصل ہو رہے ہیں لیکن زمین پر ہونے والے مضر حشرات قیمتی جانداروں کی دولت کو ہو رہے نقصان کو نہیں دیکھا جا رہا ہے۔



عالمی ممالک میں سب سے زیادہ جراثیم کش ادویات کی تیاری ہمارے ملک ہندوستان میں ہو رہی جو غیر صحت مند ماحول کے پیدا کرنے کی طرف مائل ہیں۔

ہندوستان میں حیاتی تنوع کے تحفظ کے لیے قانونی تحدیدات کو 2004ء میں نافذ کیا گیا۔ چینیائی کو مرکز بنا کر قومی ادارہ اے حیاتی تنوع قائم کیا گیا۔ اس قانون کے مطابق ریاستی سطح پر بھی حیاتی تنوع کے تحفظ کے لیے بورڈس کا قیام عمل میں لایا گیا۔ لیکن قانون پر عمل آوری میں ہر ریاست اپنی مرضی کے مطابق عمل کر رہی ہے۔ نتیجتاً ریاستی سطح کے بورڈ آزادانہ طور پر کام کرنے کے موقوف میں نہیں ہیں۔ صرف 14 ریاستیں ہی اپنی سطح پر ان قوانین پر عمل پیرا ہیں۔ قانون کے اہم نکات میں گاؤں کی سطح پر حیاتی تنوع کی تنظیمی کمیٹی بنا کر حیاتی تنوع کے تحفظ کے راستہ پر چلانا ہے۔ سرینچ، منڈل پریسیڈنٹ، میونسپل چیرمین کی صدارت میں مختلف سطحوں پر اس طرح کی کمیٹیاں تیار کی جائیں۔ اس میں پنچایت کی سطح پر 7 اراکین ہوتے ہیں۔ وسائل سے پر مقامات کا تحفظ اس کمیٹی کا فرض ہے۔ بنیادی سطح پر قانون کے اصولوں پر عمل کرنے سے کھلے عام ہو رہی تباہی کو روک کر حیاتی تنوع کے وسائل کے توازن کو برقرار رکھا جاسکتا ہے۔ لیکن ان کمیٹیوں کی تشکیل کا کام آگے نہیں بڑھ رہا ہے۔ ریاستی بورڈ انتظامی کمیٹی کی تشکیل کی درخواست آنے پر ہی رد عمل کا اظہار کر رہے ہیں۔

قانون کے اہم مقاصد کی متوقع سطح پر تشہیر نہ ہونے سے قانون بے قیمت ہو گیا ہے۔ ادارہ چوہلی درخت کے جائزے کے مطابق ستمبر 2012 تک 23 ریاستوں میں 33,077 گاؤں کی سطح کے حیاتی تنوع کی کمیٹیاں تشکیل دی جا چکی ہیں۔ ان میں 27,712 کمیٹیاں مدھیہ پردیش میں قائم کی گئیں۔ مقامی اداروں کے نمائندوں کو اس کا فہم نہ ہونے کے علاوہ اس سے راست فوائد کا حصول ممکن نہ ہونے کی وجہ سے ان فرائض کو اضافی بوجھ تصور کرنے سے موجود حالات واقع ہوئے ہیں۔ قومی سطح اور ریاستی سطح کے حیاتی تنوع بورڈ کے اراکین کے تقرر کے لیے لوگ اثر و رسوخ کا استعمال کر رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے قانون کی عمل آوری میں رکاوٹیں حائل ہو رہی ہیں۔ متوقع سطح پر حیاتی تنوع والے علاقوں کی شناخت، اعلان نہیں ہو سکا۔



10۔ سماج سائنسی ترقی

- I۔ اہم قدر : سائنسی نقطہ نظر
- II۔ ذیلی قدر : علم سائنس کو ہی سماجی ذمہ داری ہوتی ہے۔ شناخت کرنا
- III۔ مطلوبہ نتائج و مقاصد : سائنس کی تحقیقات سماجی کی تشکیل میں کس طرح فائدہ مند ثابت ہوتے ہیں۔ معلومات حاصل کریں گے۔

IV: تمہید:

سائنس سماج کے لیے نہایت فائدہ مند ثابت ہوتی ہے۔ سائنس داں ہمیشہ نئی ایجادات کے ذریعہ عوام کو سہولیات فراہم کرتے ہوئے بہتر زندگی گزارنے کے قابل بناتے ہیں۔ صبح صادق سے لے کر رات کے سونے کے وقت تک ہر پل سائنسی ترقی کے نتیجہ حاصل کردہ اشیاء سے سابقہ پڑھتا ہے۔ اس طرح کے سائنسی ایجادات کے ذریعہ حاصل کردہ فوائد سے متعلق معلومات حاصل کریں گے۔

V: موضوع

اپنے ماموں جان سے ملکر اختر کھیت کو گیا۔ وہاں کھیت میں ٹریکٹر سے کام لیا جا رہا تھا۔ اس منظر کو دیکھ کر اختر اپنے ماموں جان سے پوچھا کہ ٹریکٹر سے کیا کام لیا جا رہا ہے؟ ماموں نے جواب دیا کہ ٹریکٹر کی مدد سے کھیت میں حل چلا کر زمین کو ہموار کر کے فصل اگانے کے لیے تیار کیا جا رہا ہے تو اختر نے پوچھا کہ پھر ٹریکٹر سے ہی

کیوں کیا جائے؟ ماموں نے جواب دیا کہ ٹریکٹر کی مدد سے تمام کاموں کو بروقت مکمل طور پر انجام دینے کی سہولت ہوتی ہے۔ جب اس نے پوچھا کہ ٹریکٹر کی ایجاد سے قبل کسان کس طرح ان کاموں کو انجام دیتے تھے تو جواب ملا کہ ٹریکٹر سے پہلے بیلوں کی مدد سے حل چلایا کرتے تھے۔ اس طرح حل چلانے کے لیے کئی دن لگ جاتے تھے۔ اس کی وجہ سے بعض اوقات فصل کی بیج بونے کے لیے کافی دیر ہو جایا کرتی تھی۔ اس کا اثر فصل کی پیداوار پر بھی ہوتا تھا۔ ٹریکٹر کی مدد سے چند گھنٹوں میں کھیت سے جڑے کئی کام تیزی سے انجام دے پارہے ہیں۔ اس سے کسانوں کو کافی فائدہ ہو رہا ہے۔ درحقیقت ٹریکٹر کو ایجاد کرنے والے سائنس دان کا میں اس موقع پر شکریہ ادا کرتا ہوں۔

واقعہ نمبر 2:-

کرہ جماعت میں معلم آفات سماوی سے متعلق بیان کر رہا تھا۔ اس موقع پر منور نامی طالب علم نے کھڑے ہو کر پوچھا کہ جناب ”طوفان“ زوردار بارش کے امکانات کو محکمہ ماحولیات کی جانب سے قبل از وقت کس طرح مطلع کیا جاتا ہے؟ بتلائیے؟ آپ نے بہت اچھا سوال کیا کہ اس کو سہاوتے ہوئے معلم نے اس طرح بیان کیا کہ سائنسی ترقی کی وجہ سے ہمارے سماج میں کئی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ سائنس دان اپنے تحقیقات کے ذریعہ کئی نئے نئے اشیاء کو ایجاد کئے ہیں۔ تمام ایجادات سماج کے لیے بہت ہی مفید اور کارآمد ثابت ہو رہے ہیں۔ اس ضمن میں خلا میں مصنوعی سیارچے کا داغا جانا بہت ہی اہم ہے۔

انہیں سٹلائیٹ (Sattelites) کہا جاتا ہے۔ ایک ایک استعمال کے خاطر ایک ایک سٹلائیٹ کو خلا میں داغا جاتا ہے۔ ماحولِ آب و ہوا میں واقع ہونے والے تبدیلیاں اور اس کے اثرات کو بروقت اطلاعات پہنچائے جاتے ہیں۔ مثلاً سمندر میں ہوائی دباؤ کم ہونے پر یا طوفان کے سٹلائیٹ کے ذریعہ تصویریں قبل از وقت حاصل ہو جاتی ہیں۔ جس سے فوری ہمیں پتہ چل جاتا ہے کہ وہ ساحل سے کتنی دور ہے وہ کس سمت میں حرکت کر رہے ہیں قبل از وقت معلوم کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح ساحلی علاقوں میں موجود عوام کو آگاہ کیا جاتا ہے اور انہیں طوفان کے اثر سے بچنے کے لیے محفوظ مقامات پر پہنچایا جاتا ہے۔ چھیروں کو بھی انتباہ دیا جاتا ہے اور انہیں سمندر



میں جانے سے روکا جاسکتا ہے۔ اس سے کئی ہزاروں لوگوں کی جانوں کو بچایا جاسکتا ہے۔ اس طرح سائنس ہماری زندگی میں روزمرہ کئی طرح سے فائدہ مند ثابت ہوتی ہے۔

VI: (الف) غور کرنا - رد عمل کا کرنا

- 1- آپ جان چکے ہیں کہ زرعی شعبہ میں ٹریکٹر کے استعمال سے کئی انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ زرعی شعبہ میں اور کون کونسے تکنیکی تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔ بتلائیے؟
- 2- سائنس کی ترقی کی وجہ سے انسان کو کئی فائدے حاصل ہوئے ہیں۔ آپ بچپن سے لے کر اب تک اپنی روزمرہ کی زندگی میں کئی تبدیلیوں کا مشاہدہ کئے ہوں گے۔ وہ کونسے ہیں۔ بتلائیے؟
- 3- آپ سمجھ چکے ہیں کہ آفاقی بلاؤں کے وقت سٹلائٹ کے ذریعہ کس طرح قبل از وقت اطلاعات حاصل ہو رہے ہیں۔ وہ آفاقی بلائیں کونسی ہیں۔ ان سے نمٹنے کے لیے ہماری ذمہ داری کیا ہے۔ بتلائیے؟
- 4- سائنسی تحقیقات کے ذریعہ ہمارے سائنسداں نے کئی چیزوں کو ایجاد کیا ہے۔ ہم انہیں سماج کی فلاح و بہبودی کے لیے استعمال کر رہے ہوں۔ لیکن چند افراد ان کا غلط استعمال کرتے ہوئے عوام کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ ایسے واقعات کو بیان کیجئے جن کا آپ نے مشاہدہ کیا ہے؟

(ب) عمل کرنا- تجربات بیان کرنا

☆ ہمارے سائنسداں سماج کے لیے فائدہ مندہ کئی ایجادات کئے ہیں۔ کون سے سائنسداں کونسے ایجادات کئے ہیں اور وہ سماج کے لیے کس طرح فائدہ مند ثابت ہو رہے ہیں۔ تفصیلات اکٹھا کیجئے، وضاحت کیجئے۔

﴿معلوم کیجئے﴾

جدید دور میں کسی بھی ملک کی ترقی کا اندازہ دیگر نکات کے ساتھ اس ملک میں موجود سائنسی اور تکنیکی سطح ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ 4 ہزار سال قبل کی موہنجادڑوہڑیہ تہذیب میں موجود انسانی ارتقاء کی



شہرت آج بھی قابل ذکر ہے۔ اس کی اہم وجہ یہ ہے کہ ان دنوں میں وہاں سائنس اور ٹکنالوجی کے شعبہ میں کافی ترقی ہوئی ہے۔ افراد، افراد کا گروہ، روٹی، کپڑا، مکان وغیرہ روزمرہ کی ضروریات کو تکمیل کرنے کے لیے اطراف و اکناف کے قدرتی ماحول کو اپنے مطابق ڈھال کر یکجا کردہ تجربات میں سے وجود میں آنے والے نتائج ہی سائنسی اشارے ہوتے ہیں۔

سائنسی عمل کے جز کے طور پر نئی ایجادات کی دریافت کرتے ہوئے تکنیکی ترقی کو فروغ دینا ہی سائنس داں کا کام ہے۔ جب کہ اس ترقی کو عوام تک پہنچانے کے قابل بنانا سماجی سائنس داں کا کام ہے۔ ایک دن میں کسی بھی لمحہ نظر دوڑائیں اور سر سے پاؤں تک جہاں بھی نظر ڈالیں ہمارے اطراف سائنس کے ذریعہ حاصل کردہ نتائج ہی نظر آتے ہیں۔ علم سائنس عوام کے سوچ کا جز بن گئے ہیں۔ بدلتے وقت کے اعتبار سے انسان کی ضروریات کے مطابق ایجادات میں کئی دشواریاں واقع ہوئی ہیں۔

آج سے پچاس سال قبل طلباء اسکول میں قلم اور سیاہی لے کر جاتے تھے۔ برو قلم سیاہی میں ڈبو کر لکھا کرتے تھے۔ اس کے بعد کے دور میں ”واٹرمن“ کی ایجاد کے نتیجہ میں Fountain Pen وجود میں آیا۔ اسی طرح پیروں سے چلنے کے بجائے ہوا سے بھرے ہوئے ٹائروں کی مدد سے چلنے والی دو پہیہ والی سیکل کو ”اسٹار لے Starlay“ کی ایجاد کے نتیجہ میں آج تمام دنیا میں سیکل عام انسان کی سوار بن گئی ہے۔ قدیم دور میں ایک خبر کو ہزاروں میل دور تک پہنچانے کے لیے گھوڑے اور کبوتروں کو استعمال کیا جاتا تھا۔ اس کام کے لیے کئی دن لگ جاتے تھے۔ لیکن ”مارکونی“ کی ایجاد کردہ وائرلیس ”گراہم بل“ کی ایجاد کردہ ٹیلی فون کے ذریعہ بعد کو دور میں چند لمحوں میں اطلاعات کو بہم پہنچایا جا رہا ہے۔ اسی طرح ”سوئن سن“ ریل کے انجن کو ”Right Brother's“ ہوائی جہاز کو اور ”گیلیلو“ دور بین کو اور کئی سائنس داں نے اپنے تحقیقات کے ذریعہ کئی چیزوں کی ایجادات کی وجہ سے انسانی طرز زندگی خوشحال بن گئی ہے اور سماجی ترقی کو بھی فروغ حاصل ہوا۔

سائنس انسانی نسل کے لیے جتنا فائدہ مند ثابت ہو رہی ہے اتنا ہی نقصان دہ بھی ثابت ہو رہی ہے۔ کئی ضرورتوں کو تکمیل کرنے کے لیے تیار کردہ چھری کو آج کسی کی جان لینے کے لیے بھی استعمال کی جا رہی ہے۔ نیوٹن



کی دریافت کردہ ”زمین کے قوت کشش کا اصول“ کے ذریعہ آج متعینہ دوری پر موجود دشمن کے ٹھکانے کو صاف کرنے کے لیے اور براعظموں کے مابین راکٹس تیار کرنے کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح کسی ملک کی حفاظت کے لیے فائدہ پہنچانے کے خاطر تیار کردہ جوہری اوزار آج دشمنوں روہشت گردوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئے ہیں جس سے دنیا کے تمام ممالک دہشت گردوں کے خطرات سے کانپ رہے ہیں۔ اس سے فصلوں کی پیداوار کے اضافہ کے لیے مختلف کیمیائی مادوں کو بطور مصنوعی کھاد استعمال کرنے سے کئی لوگ بیماریوں میں مبتلا ہو رہے ہیں اور اپنی جان گنوار ہے ہیں۔ اسی طرح بیان کرتے چلے تو چند ایجادات سماج کے لیے جس قدر فائدہ مند ثابت ہو رہے ہیں اس سے کہیں زیادہ نقصان کا باعث بن رہے ہیں۔ لہذا اسائنمنٹوں جن اچھے مقاصد کے لیے انہیں ایجاد کئے ہیں، سوچ سمجھ کر انہیں استعمال کرنا چاہئے۔

..... ﴿ قول ﴾
 ﴿ ﴾

تعلیم کے ذریعہ آزادی، اتحاد و اتفاق سے
 طاقت و توانائی، محنت کے ذریعہ ترقی ممکن ہے۔



11- قوانین

- I- اہم قدر : انصاف
II- ذیلی قدر : قوانین کے تعلق سے بنیادی معلومات سے واقف ہونا۔

III- متوقع نتائج / مقاصد:

عوام کو انصاف دلانے کے خاطر تیار کردہ قوانین کے تئیں بنیادی معلومات حاصل کریں گے۔

IV- تمہید :

عام عوام کو انصاف والی حکومت فراہم کرنا اور انصاف کے ساتھ زندگی گزارنے طریقہ فراہم کرنے کے لیے قوانین مرتب کئے گئے ہیں۔ اپنے لیے تیار کردہ قوانین کے تئیں بنیادی علم رکھنا ہر ایک فرد کے لیے ضروری ہے۔ انصاف کے لیے انسانی حقوق کے حصول کے لیے قوانین کا اہم رول ہوتا ہے۔
اب ہم چند قوانین کیسے تیار کئے گئے ہیں اور ان کے کیا استعمالات ہیں، معلومات حاصل کریں گے۔

V- موضوع:

قانون حق تعلیم 2009:-

جمہوریت کے تحفظ میں تعلیم کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے قانون ساز رہنمایانہ اصول میں موجود دفعہ 45 کے مطابق 5-14 سال کے عمر کے تمام بچوں کے لیے مفت اور لازمی تعلیم فراہم کرنے کے لیے طے کئے تھے۔ اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے ماہرین تعلیم، سماجی رہنما، اراکین، دیگر ماہرین نے مانگ کی کہ اس کو

ایک حق کے طور پر پیش کیا جائے۔ اس طرح 2002 میں 86 واں دستوری ترمیم کے لیے دفعہ (A) 21 کے تحت مفت و لازمی تعلیم کو بنیادی حق کے طور پر قرار دیا گیا ہے۔

اس کے عمل آوری کے لیے حق اطفال، برائے وقت و لازمی تعلیم، 2009 اگست 27 کو پارلیمنٹ نے منظوری دی۔ یکم اپریل 2010 سے جموں و کشمیر کے علاوہ پورے ملک میں عمل آوری ہو رہی ہے۔

اس قانون حق تعلیم کے مطابق :-

- ☆ 6-14 سال کے تمام بچوں کو تعلیم حاصل کرنے کا بنیادی حق دیا گیا۔
- ☆ اسکول میں اقل ترین معیارات / سہولیات فراہم کرنی چاہئے۔
- ☆ تمام پرائیویٹ اسکول میں تعلیم حاصل کرنے والے غریب خاندان سے تعلق رکھنے والے بچوں کے لیے بھی 25 فیصد داخلہ محفوظ کیا گیا۔
- ☆ اسکولوں میں داخلہ کے لیے ڈومیشن، کیا پٹیشن فیس، انٹرویو اور انٹرنس ٹسٹ اصولوں کے خلاف ہے۔
- ☆ ڈراپ آؤٹ / ترک مدرسہ کرنے والے بچوں کو ان کے ہم جماعت طلباء کے سطح تک ترقی دینے کے لیے انہیں خصوصی تربیت دی جانی چاہئے۔
- ☆ طلباء اور اساتذہ تناسب کے مطابق اساتذہ کا تقرر عمل میں لایا جائے۔

قانون حق معلومات (Information Act) :-

ہندوستانی حکومت نے 2005 میں قانون حق معلومات کو نافذ کیا۔ حقیقت میں صارفین کو معلومات کی چابی رکھنی ملنے کے برابر ہے۔ جس سے یہ سہولت فراہم کی گئی ہے کہ اگر ایک صارف جو بھی معلومات حاصل کرنا چاہے اس کو بہم پہنچانا ہوگا۔ دراصل یہ ایک نا انصافی کو ختم کرنے کا عمل ہے۔

اس حق معلومات کا مقصد ہر آفیسر کو اپنے دائرہ عمل میں شفاف اور جواب دہ بنانے کے لیے عاملہ سے متعلق معلومات عوام کے دست رس میں لانے کے لیے شہریوں کو دی گئی معلومات حاصل کرنے کے حق کو قانون کے تحت



نافذ کرنے کے لیے، مرکزی اطلاعات کمیشن قائم کرنے کے لیے متعلقہ دیگر نکات کا حصول ہے۔
قانون، حق معلومات 2005 کے مطابق معلومات حاصل کرنے کے لیے:-

- درخواست داخل کرنے سے قبل انفارمیشن آفیسر/اسسٹنٹ انفارمیشن آفیسر کے نام پر متعین کردہ رقم، رقم ادا کرنے کا طریقہ صحیح ہے یا نہیں جانزہ لے۔ (SC/ST/OBC) کو انفارمیشن کے لیے رقم ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن ان کو Caste Certificate منسلک کرنا چاہئے۔

- درخواست کو از خود رپوسٹ کے ذریعہ داخل کیا جاسکتا ہے۔
- داخل کئے گئے درخواست کی رسید حاصل کریں۔ اس پر تاریخ، دفتر کا واضح طور پر ہونا چاہئے۔

- درخواست کے داخلہ کے تاریخ سے لے کر معلومات حاصل کرنے تک دن شمار کئے جاتے ہیں۔ درخواست داخل کرنے کے بعد کتنے دنوں میں معلومات حاصل کر سکتے ہیں، ذیل کے جدول سے پتہ چلتا ہے۔

سلسلہ نشان	حالت	معلومات پہنچانے کے خلاف
1	عام حالات میں	30 دن
2	فرد کی زندگی، آزادی کے متعلق	30 دن

VI: سوچیے۔ رد عمل

- 1- قانون کس کے لیے ہیں۔ اس کے کیا فوائد ہیں؟
- 2- آپ کو معلوم مختلف قانون کے بارے میں بتلائیے؟
- 3- قانون کی عمل آوری سے فوائد حاصل ہوتے ہیں اگر قانون کی عمل آوری نہ ہو تو ہونے والے نقصانات کیا ہیں؟

4- آپ نے قانون حق معلومات کے بارے میں معلومات حاصل کی ہے۔ اس قانون کے بارے میں آپ نے کیا سمجھا ہے؟ اور اس کے ذریعہ آپ کس طرح کے معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں؟

1) قانون حق معلومات 2005 کے مطابق آپ کسی بھی پبلک اتھارٹی سے معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔

- ☆ پبلک اتھارٹی سے مراد سرکاری ادارہ یا سرکاری امداد سے چلایا جانے والا ادارہ
- ☆ درخواست فارم کو کسی بھی زبان میں لکھ سکتے ہیں۔
- ☆ درخواست میں ذیل کے معلومات فراہم کریں۔

(a) انفارمیشن آفیسر اسٹنٹ انفارمیشن آفیسر کا نام :

(b) دفتر کا پتہ :

(c) موضوع :

(درخواست حق معلومات 2005 دفعہ (1) 6 کے مطابق:-)

(d) آپ کو درکار معلومات/انفارمیشن کی تفصیلات :

(e) درخواست گزار کا نام :

(f) باپ/شوہر کا نام :

(g) طبقہ (SC/ST/OBC) :

(h) درخواست گزار کی رسید :



- (i) کیا آپ کا تعلق غریب (B.P.L) خاندان سے ہے؟ ہاں نہیں
- (j) آپ کے گھر کا پتہ :
- (k) موبائل نمبر :
- (l) تاریخ رگاؤں :
- (m) درخواست گزار کی دستخط :
- (n) منسلک دستاویز، دیگر پرچوں کی تفصیلات :

VI: (الف) غور کرنا - رد عمل کا کرنا

- ☆ قانون حق معلومات کے ذریعہ آپ 3'2 (چند) معلومات کو کس طرح سے حاصل کرنا چاہتے ہیں نمونہ درخواست پر کر کے لائیے۔
- ☆ اخبارات، ٹی وی کے واسطے سے آپ سے سنی گئی اور پڑھی گئی عوامی مسائل سے متعلق خبروں کو جمع کیجئے۔ ان کا کس طرح حل کیا جاسکتا ہے۔ لکھئے۔

﴿معلوم کیجئے﴾

کیا آپ چاہتے ہیں کہ قانون حق معلومات سے حیرت انگیز نتائج حاصل ہو رہے ہیں؟

عوام میں کسی ایک موضوع سے متعلق عدم مساوات ہو تو بد امنی پیدا ہوتی ہے۔ سماج میں انصاف کے لیے مختلف آوازیں گونجتی رہتی ہیں اور مختلف تحریکوں کا آغاز ہوتا ہے۔ نتیجتاً چند قوانین کو مرتب کرتے ہوئے عمل میں لائے جاتے ہیں۔ جمہوری ملک میں تمام افراد آزادانہ اور مساویانہ طور پر جینے کا حق حاصل ہے۔ ان حقوق کے تحفظ کے لیے قانون کا ہونا ضروری ہے۔ قانون کی مدد سے نا انصافی ہونے پر سرکاری عملے کو سوال کرنے کا حق

اور مجرم کو پکڑنے کا حق عوام کو حاصل ہے۔ اس موقع پر قانون حق معلومات کے ذریعہ عوام ان کے مسائل کو کس طرح حل کئے ہیں چند واقعات کے ذریعہ جانیں گے۔

نام : قاسم بی

پیشہ : کپڑے بنانا

ضلع : اہم پور

افراد خاندان تمام مل کر دن بھر محنت نہ کریں تو ایک وقت کا کھانا میسر نہیں ہوتا۔ اس پس منظر میں ایک حادثہ میں شوہر کا انتقال ہونے کی وجہ سے قاسم بی کی حالت پریشان کن ہو گئی ہے۔ کس طرح زندگی گذاریں اور کیا کریں اس کی سمجھ سے باہر ہے۔ دوست احباب کے مشورے سے ”آپد بھید واسکیم“ کے تحت مالی امداد کے لیے درخواست داخل کی۔ مسلسل چھ مہینے تک تحصیلدار کے دفتر کے اطراف گھومتی رہی۔ اس کی عرضی کی طرف کوئی بھی متوجہ نہیں ہوا۔

اس وقت اسے قانون حق معلومات کے متعلق، جانکاری ہوئی ہے تو اس نے اس کی درخواست کے بارے میں RTI Act کے تحت سوال کیا۔ جب جواب دینے کی مدت قریب الختم تھی تو وہ عہدیداروں میں حرکت پیدا ہوئی۔ آخر کار قاسم بی کو کلکٹر کے ہاتھوں پچاس ہزار (50,000) روپے کا چیک دیا گیا۔ اس رقم سے قاسم بی نے کرگہ خرید کر زندگی گزارنے کا ذریعہ بنا لیا۔ قاسم بی ابھی بھی کہتی ہیں کہ قانون حق معلومات نہ ہوتا تو میرا حال کیا ہوا ہوتا۔

نام : راج کمار، اوم کار

پیشہ : طلباء

ضلع : ورنگل

گاؤں میں ترقیاتی کام کا نام و نشان ہی نہیں ہے۔ جو بھی بجٹ رقم حکومت کی طرف سے مل رہی ہے



کہاں خرچ ہو رہی ہے اس کا کسی کو بھی خبر نہیں ہے۔ گاؤں والوں نے اس کے بارے میں اعلیٰ عہدہ داروں کو شکایت کی لیکن نتیجہ کچھ حاصل نہیں ہوا۔ تب قانون حق معلومات کو استعمال کرتے ہوئے راج کمار اور ادم کار نے بجٹ اور انے اخراجات کی تفصیلات سے سکریٹری کو درخواست داخل کیا۔ حقائق منظر عام پر لائے گئے۔ جس سے یہ معلوم ہوا کہ جملہ 4.50 لاکھ روپیوں کا سرینچ نے غبن کیا ہے۔ اسکے بعد ان نوجوانوں نے ٹھوس ثبوتوں کے ساتھ اعلیٰ عہدیداروں سے شکایت کی۔ تحقیق کے بعد سرینچ کے چیک پاور کو رد کر دیا گیا۔

نام : سری نواس راؤ

پیشہ : زراعت

گاؤں : بوڈو پالم۔ گنٹور

عام طور پر پتھرلی زمین اور گڑھوں پر سے چلنا بہت ہی مشکل کام ہے۔ سواریوں سے سفر کرنے پر تو جسم چھلنی ہو جاتا ہے۔ ان تمام تکالیف سے بوڑی پالم گاؤں کے عوام دوچار ہو رہے تھے۔ 20 لاکھ روپے خرچ کر کے بنائی گئی سڑک صرف دو سال میں بارش کی نظر ہو گئی۔ سڑک مرمت کروانے کے لیے کئی مرتبہ عہدہ داروں سے رجوع ہونے پر کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ اس وقت سڑک کی تیاری اور مرمت کے متعلق خرچ کردہ بجٹ اور کام کے تفصیلات طلب کرتے ہوئے (قانون حق معلومات کے تحت) درخواست داخل کئے اور حاصل کردہ معلومات کے ساتھ ضلعی کلکٹر سے رجوع ہوئے۔ اگلے دن فوراً عہدہ دار اس سڑک کا مشاہدہ کر کے مزید بجٹ منظور کئے تھے اس طرح نئی سڑک کی تعمیر کی گئی۔

نام : رمنا

پیشہ : زراعت

ضلع : جلامورو

ہمارے گاؤں صفائی، سڑک، اسٹریٹ لائٹ وغیرہ کے مسائل سے دوچار تھا۔ ان مسائل کو پر جاتھم



اسکیم کے تحت عہدہ داروں کو واقف کرایا گیا۔ 4 مرتبہ کلکٹر کو عرضی پیش کرنے سے بھی کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ اسی دوران ہمارے علاقہ میں نئے کلکٹر صاحب کا تقرر ہوا۔ ان سے ملنے سے بھی کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہوا تو فوراً رمناکو ”قانون حق معلومات“ کے بارے میں معلومات حاصل ہوئی۔ تو اس نے کلکٹر کو فوری شکایت کی ہمارے گاؤں کے متعلق سے جو عرضی دی گئی تھی اس کے بارے میں آپ نے کیا کیا۔ کلکٹر حرکت میں آتے ہوئے DLPO کو حکم دیا کہ فوری اسٹریٹ لائٹ، موریوں کا انتظام کیا جائے۔

قانون حق معلومات جیسے ایک قانون کے ذریعہ عوام اپنے مسائل کو کس طرح حل کر لے سکتے ہیں۔ معلومات حاصل کی ہیں اسی طرح کئی قوانین ہمارے حقوق کی حفاظت کرنے میں ہمارے مسائل کو حل کرنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ ان کے تعلق سے معلومات حاصل کرتے ہوئے اپنے حقوق کی حفاظت کر لینا ہماری ذمہ داری ہے۔



12- امن

I- اہم قدر : امن، عدم تشدد

II- ذیلی قدر : عالمی امن

III- متوقع نتائج مقاصد:

امن کی خصوصیات کے اپنائیں گے۔ عالمی امن کے لیے اپنا کردار ادا کریں گے۔

IV- تمہید:

ہمارے پاس اگر سہولیات ہو، مال و دولت ہو، دوست احباب و رشتہ دار ہوں، اگر زندگی میں امن نہ ہو، چین نہ ہو تو ہم حقیقی سکھ اور آرام سے محروم رہیں گے۔ جس معاشرہ میں ہم بھی بس رہے ہیں، اس میں اگر امن نہ ہو تو پھر زندگی کے حقیقی لطف سے ہم محروم رہ جائیں گے۔ امن، بھلائی، محبت، انسانی رشتوں کو مستحکم کرتے ہیں۔ معاشرہ میں امن اسی وقت ممکن ہے جب کہ تمام افراد ایک دوسرے سے مل جل کر رہیں۔ پر امن نہ صرف معاشرہ کا ہوگا بلکہ یہ ملک اور قوم کے لیے، پوری دنیا کے لیے امن کا، چین و سکون کا ذریعہ بنے گا۔ امن کو بگاڑنے والے عناصر جیسے تشدد، غیر سماجی سرگرمیاں لڑائی جھگڑے اور فساد کی فضاء کو ختم نہ کیا جائے تو عوام بہتر طور پر امن کی زندگی گزار نہیں سکیں گے۔

عالمی امن کی توقع کرنے والوں کا امن اور اتحاد کے جذبے سے سرشار ہونا ضروری ہے۔

۷۔ موضوع

منظر 1:-

بس اسٹانڈ میں لوگ بس کے انتظام میں کھڑے ہیں۔ ہجوم بہت زیادہ تھا۔ شام کا وقت ہونے کی وجہ سے کچھ لوگ خریداری کے لیے بسوں سے اتر رہے تھے۔ اس دوران بس اسٹانڈ کے قریب واقع ایک ہوٹل کے قریب بم دھماکہ ہوا۔ تھوڑی سی دیر میں منظر بدل گیا۔ لوگوں میں کھلبلی مچ گئی۔ آہ و بکا شروع ہو گیا۔ جدھر نظر ڈالنے نعشیں ہی نعشیں نظر آرہی تھیں۔ کچھ لوگ اپنے اعضاء سے محروم ہو کر بہتے ہوئے خون میں تکلیف سے کراہتے ہوئے مدد کے لیے پکار رہے تھے۔ اپنے گھر والے کدھر بکھر گئے، کی فکر کچھ لوگوں کو ستانے لگی۔ نعشیں، زخمی لوگوں میں سر سے، دھڑ سے، دیگر اعضاء سے محروم جلتے ہوئے مدد کے لیے پکارتے ہوئے یہ مقام ایک عبرت ناک مقام بن گیا تھا۔

منظر 2:-

دوسری عالمی جنگ میں امریکہ نے جاپان کے ہیروشیما، ناگاساکی پر بمباری کی۔ نیوکلیر بم وہتھیار بہت ہی خطرناک ہوتے ہیں۔ ان بموں کے اثرات سے ہیروشیما، ناگاساکی میں جدھر نظر ڈالیں ادھر نعشوں کے ڈھیر دکھائی دینے لگے۔ جانور ہلاک ہو گئے۔ فصلیں تباہ و برباد ہو گئیں۔ پانی اور ہوا اس غیر انسانی حرکت کی وجہ سے آلودگی کا شکار ہو گئے۔ ہر طرف قبرستان کا منظر نظر آنے لگا۔ جو لوگ بچ گئے وہ اپنی مدت حیات تک مختلف بیماریوں اور عوارض کا، معذوری اور کمزوری کا شکار ہو گئے۔

VI: (الف) غور کرنا - رد عمل کا کرنا

(1) مندرجہ بالا ذکر کردہ دو مناظر کو آپ نے سنا، اس طرح کے واقعات پیش آنے کے لیے کیا

وجوہات ہو سکتی ہیں؟

(2) اس طرح کے واقعات میں کن کن کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے؟



یا

اس طرح کے واقعات میں کون خمیازہ بھگتتے ہیں؟

(3) اس طرح کے واقعات پیش نہ آنے کے لیے کیا کیا جانا چاہئے؟

(4) عدم تشدد، انسانیت، تعاون جیسے امور امن کو فروغ دیتے ہیں۔ کیا آپ اس کی تائید کرتے

ہیں؟ کس طرح؟

(5) خدا کی طرف سے ہمیں عطا کردہ ہاتھ، کوہم سلام کرنے کے لیے، پکوان کرنے کے لیے، کھیل کود

میں حصہ لینے کے لیے، دوسروں کا تعاون کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ پھر اپنی ہاتھوں کو لڑائی جھگڑے کے

لیے، مار پیٹ کے لیے، ہتھیار اور بم بنانے کے لیے، بندوق چلانے کے لیے بھی استعمال کر سکتے ہیں۔

اس تقابل سے آپ نے کیا نتیجہ اخذ کیا ہے۔ دونوں میں کیا فرق ہے بتائیے؟

(6) جنگ کے لیے، لڑائی اور فساد کے لیے کون سے عوامل ذمہ دار ہوتے ہیں؟ بحث کیجئے۔

(7) اگر کسی علاقہ میں جنگ چھڑ جائے تو وہاں کے آبادیوں اور جانوروں پر کیا گزرتا ہوگا، تصور کیجئے؟

(8) اگر ہم عالمی امن کی امید رکھتے ہوں تو حالات کیسے ہونے چاہئے؟

تجربات کیجئے۔ احساسات بیان کیجئے!

☆ ہمارے اطراف و اکناف میں مدرسہ میں ہم چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوتے رہتے ہیں۔

ان لڑائیوں کو اگر ہم روکنا چاہیں تو ذیل کے سوالات ان سے کئے جانے چاہئے۔

(1) لڑائی جھگڑے کی وجہ کیا ہے؟

(2) اس لڑائی جھگڑے کے ذریعہ سے آپ کو کیسا لگا؟

(3) لڑائی نہ ہو، اس کے لیے آپ کیا کر سکتے ہیں؟

(4) اس لڑائی کے ذریعہ کس کو فائدہ حاصل ہوا، کس کو نقصان۔ کیا اس بات کا اندازہ ہے؟

(5) اگر آپ کے سامنے کوئی لڑنے کی کوشش کریں تو آپ انہیں کس طرح روکیں گے؟

﴿..... آئیے جانیں گے.....﴾

انسان کے پاس اگر ملک اور مال، عہدے وزارتیں، عقل و دانش، فہم، حکمت، آرائشی زندگی، اسباب اور وسائل کیوں نہ جمع اور حاصل ہو جائیں اگر زندگی میں امن نہ ہو تو وہ حقیقی سکھ سے محروم رہے گا۔ انسان اگر امیر، تعلیم یافتہ یا ان پڑھ اور غریب ہو تب بھی وہ امن کا طلب گار رہے گا۔

انسان دنیا میں جو کچھ کرتا ہے، مال و دولت کماتا ہے وہ امن لے لیے، چین اور سکون کے لیے ہے۔ اگر انسان کے پاس سب کچھ ہو لیکن چین نہ ہو تو کیا وہ زندگی گزار سکتا ہے۔ چین اور سکون دنیا کی کسی بھی چیز سے حاصل نہیں کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی خریدا جاسکتا ہے۔ اس کا تعلق انسان کے دل اور سوچ و فکر سے ہے۔

کچھ لوگ ذرا سی بات پر غصہ ہو جاتے ہیں، کچھ لوگ انجام پاتے کاموں میں خامیاں نکالنے والے ہوتے ہیں۔ لوگوں کے درمیان اختلافات پیدا کرتے ہیں، ایسے لوگ کیا آرام سے اپنی زندگی گزار سکتے ہیں۔

قدرت نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھالا ہے۔ اسے خوش شکل اور خوب صورت بنایا ہے۔ لیکن بعض انسان نفرت، بغض، عداوت حسد اور غصہ کے ذریعہ سے اسے بگاڑتے رہتے ہیں۔ نہ خوش رہتے ہیں، نہ مسکراتے ہیں اور نہ ہی دوسروں کو ہنستا کھیلتا دیکھ سکتے ہیں۔ کیا یہ عادتیں انسانی صحت پر اثر انداز نہیں ہوتیں؟

بغیر امن کے انسان، سماج اور خاندان چین و سکون سے نہیں رہ سکتا۔ ترقی کا عمل رک جاتا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ترقی کا انحصار امن و سلامتی پر ہے۔

اگر انسان مطمئن ہو اور اسے چین و سکون حاصل ہو تو وہ تخلیقی اور تعمیری کاموں کی منصوبہ بندی کر سکتا ہے۔ جس کی وجہ سے سماج کی اور ملک کی ترقی ہو سکتی ہے۔ حسد، جلن، بغض وغیرہ جیسے غیر سماجی اعمال سے اپنے آپ کو بچائے رکھے۔ یہ تمام کو اپنانا تو دور بلکہ اسے اختیار کرنے کی سوچ بھی دل و دماغ میں نہ آنے دیں۔ جس سماج میں ہم رہے ہیں اس کی بھلائی اسی میں ہے کہ امن کے راستہ پر خود بھی چلے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیں۔ عدم تشدد کو اپنی زندگی میں جامع طور پر اپنانے والی شخصیتوں میں گاندھی جی، ابوالکلام آزاد، مدرٹریا جیسے قائدین ہمارے لیے مثال ہیں۔



لوگوں کے دلوں کو چاقو، تلوار اور کسی اور ہتھیار سے فتح نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ اس کام کے لیے اخلاق کی، امن کی، اچھی عادتوں کی ضرورت ہے۔ کردار اگر اعلیٰ ہو تو لوگ ہم سے متاثر ہو سکتے ہیں۔

پر امن زندگی کے لیے ہمیں جذبہ ایثار، ہمدردی، اخلاص، خدمت کا جذبہ وغیرہ خصوصیات کو اپنانا چاہئے۔ اس طرح مخلوق کے تئیں بھی ہمدردی اور محبت کا رویہ ہونا چاہئے۔ زندگی کے درپیش مسائل کو مسکراتے ہوئے بڑی آسانی سے حل کرنا سچائی کا دامن تھامے رکھنا، دوسروں کی مصیبت کو اپنی مصیبت سمجھتے ہوئے اسے حل کرنا وغیرہ ایسی خصوصیات ہیں جس سے کہ امن کو فروغ ملتا ہے۔

.....

انسان کا غصہ ہی اس کا سب سے بڑا دشمن ہے
انسان کا چین و سکون ہی اس کی سب سے بڑی ڈھال ہے



13۔ محنت کی فتح

- I۔ اہم قدر : محنت کی قدر
 II۔ ذیلی قدر : محنت ہی سے فتح حاصل ہوتی ہے جانیں گے!
 III۔ متوقع نتائج / مقاصد:

- ☆ سخت محنت کے ذریعے ہی فتح حاصل ہوتی ہے جانیں گے!
 ☆ سخت محنت کی عادت کو فروغ دینا
 IV۔ تمہید:

محنت کے ذریعہ حاصل کی جانے والی کامیابی ہمیں خوشی اور صحت دیتی ہے۔ عمر دراز لوگ بیماریوں کی روک تھام کے لیے چہل قدمی اور ورزش کرتے ہیں۔ بعض لوگ اپنے بچپن سے ہی محنتی ہوتے ہیں۔ دنیا میں چاروں طرف محنت کا ہی بول بالا ہے۔ سخت محنت اور کوشش کے ساتھ شروع کئے جانے والے کاموں کا انجام اور اختتام سکون پر ہوتا ہے۔ محنت اور کوشش کا تعلق انسان کے دل و دماغ اور عمل سے ہے۔ اچھائی کے لیے، بہتری کے لیے، کامیابی کے لیے کی جانے والی کوشش کبھی رایگاں نہیں جاتی۔ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھنے کے لیے پیروں کے ساتھ ساتھ عزم اور حوصلہ کا، خود اعتمادی کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر ہم کامیابی کے خواہشمند ہوں تو اس کے لیے محنت ہی واحد راستہ ہے۔

بچو!

محنت کے ذریعہ، کامیابی اور فتح حاصل کرنے والوں کے چند نام بتائیے۔
آئیے محنت کے ذریعہ کامیابی حاصل کرنے والے، والوں کے حالات کے بارے میں سنیں گے۔

موضوع:-

سخت اور مسلسل محنت کے ذریعہ سے ہی زندگی میں کامیابی اور اچھے مقام اور مرتبہ حاصل کر سکتے ہیں۔

(1) مولانا محمد علی جوہر

(2) محمد بن قاسم

VI: (الف) غور کرنا - رد عمل کا کرنا

- (1) محنت کے ذریعہ ہی کامیابی حاصل ہوتی ہے؟ اس کے تعلق سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟
- (2) آپ کے علاقہ میں محنت کے ذریعہ کامیابی پانے والوں کے بارے میں کیا آپ جانتے ہیں؟ ان کے بارے میں بیان کیجئے؟
- (3) کسی خاص کام یا مقصد کے حصول کے لیے آپ نے کوشش کی ہے۔ اس دوران آپ نے کیا محسوس کیا؟

تجربات کرنا۔ مشاہدات بیان کرنا!

آپ کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ آپ زندگی میں کیا بننا چاہتے ہیں؟
اس مقصد کے حصول کے لیے آپ کس طرح کی محنت کرنا چاہتے ہیں۔
کیا آپ نے اپنی محنت کا آغاز کیا ہے؟

مولانا محمد علی

پیدائش : 1878ء

انتقال : 1931ء

ہندوستانی مسلمانوں کے عظیم رہنماء۔ جو ہر تخلص۔ ریاست رام پور میں پیدا ہوئے۔ دو سال کے تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ والدہ مذہبی خصوصیات کا مرقع تھیں۔ اس لیے بچپن ہی سے تعلیمات اسلامی سے گہرا شغف تھا۔ ابتدائی تعلیم رام پور اور بریلی میں پائی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے علی گڑھ چلے گئے۔ بی اے کا امتحان اس شاندار کامیابی سے پاس کیا کہ الہ آباد یونیورسٹی میں اول آئے۔ آئی سی ایس کی تکمیل اسکورڈ یونیورسٹی میں کی۔ واپسی پر رام پور اور بڑودہ کی ریاستوں میں ملازمت کی مگر جلد ہی ملازمت سے دل بھر گیا اور کلکتہ جا کر انگریزی اخبار کا مرید جاری کیا۔ مولانا کی لاجواب انشاء پردازی اور دہانت طبع



کی بدولت نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرون ہند بھی کامرید بڑے شوق سے پڑھا جاتا تھا۔

انگریزی زبان پر عبور کے علاوہ مولانا کی اردو دانی بھی مسلم تھی۔ انہوں نے ایک اردو روزنامہ ہمدرد بھی جاری کیا جو بے باکی اور بے خوفی کے ساتھ اظہار خیال کا کامیاب نمونہ تھا۔ جدوجہد آزادی میں سرگرم حصہ لینے کے جرم میں مولانا کی زندگی کا کافی حصہ قید و بند میں بسر ہوا۔ تحریک عدم تعاون کی پاداش میں کئی سال جیل میں رہے۔



1919ء کی تحریک خلافت کے بانی آپ ہی تھے۔ ترک موالات کی تحریک میں گاندھی جی کے برابر شریک تھے۔ جامعہ ملیہ دہلی آپ ہی کی کوششوں سے قائم ہوا۔ آپ جنوری 1931ء میں گول میز کانفرنس میں شرکت کی غرض سے انگلستان گئے۔ یہاں آپ نے آزادی وطن کا مطالبہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم انگریز میرے ملک کو آزاد نہ کرو گے تو میں واپس نہیں جاؤں گا اور تمہیں میری قبر بھی یہیں بنانا ہوگی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد آپ نے لندن میں انتقال فرمایا۔ تدفین کی غرض سے نعش بیت المقدس لے جائی گئی۔ مولانا کو اردو شعر و ادب سے بھی دلی شغف تھا۔ بے شمار غزلیں اور نظمیں لکھیں جو مجاہدانہ رنگ سے بھرپور ہیں مثلاً

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد



محمد بن قاسم

(محمد بن قاسم) عربی: محمد بن القاسم الثقفی کا پورا نام عماد الدین محمد بن قاسم تھا جو کہ بنو امیہ کے ایک مشہور

سپہ سالار حجاج بن یوسف کے بھتیجا تھا۔ محمد بن قاسم نے 17 سال کی عمر میں سندھ فتح کر کے ہندوستان میں اسلام کو متعارف کرایا۔ ان کو اس عظیم فتح کے باعث ہندوستان، پاکستان کے مسلمانوں میں ایک ہیرو کا اعزاز حاصل ہوا ہے اور اسی لیے سندھ کو ’باب الاسلام‘ کہا جاتا ہے کیونکہ ہندوستان پر اسلام کا دروازہ یہیں سے کھلا۔

محمد بن قاسم 694ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد خاندان کے ممتاز افراد میں شمار کئے جاتے تھے۔ جب حجاج بن یوسف کو عراق



کا گورنر مقرر کیا گیا تو اس نے ثقفی خاندان کے ممتاز لوگوں کو مختلف عہدوں پر مقرر کیا۔ ان میں محمد کے والد قاسم بھی جو بصرہ کی گورنری پر فائز تھے۔ اس طرح محمد بن قاسم کی ابتدائی تربیت بصرہ میں ہوئی۔ تقریباً 5 سال کی عمر میں ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔

ابتدائی دور تعلیم:

بچپن ہی سے محمد مستقبل کا ذہین اور قابل شخص نظر آیا تھا۔ غربت کی وجہ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی خواہش پور نہ کر سکے اور اس لیے ابتدائی تعلیم کے بعد فوج میں بھرتی ہو گئے۔ فنون سپہ گری کی تربیت انہوں نے دمشق میں حاصل کی اور انتہائی کم عمری میں اپنی قابلیت اور غیر معمولی صلاحیت کی بدولت فوج میں اعلیٰ عہدہ حاصل کر کے امتیازی حیثیت حاصل کی۔

15 سال کی عمر میں 708ء کو ایران میں کردوں کی بغاوت کے خاتمے کے لیے سپہ سالاری کے فرائض سونپے گئے۔ اس وقت بنو امیہ کے حکمران ولید بن عبدالملک کا دور تھا اور جام بن یوسف عراق کا گورنر تھا۔ اس مہم میں محمد بن قاسم نے کامیابی حاصل کی اور ایک معمولی چھاؤنی شیراز کو ایک خاص شہر بنا دیا۔ اس دوران محمد بن قاسم کو فارس کے دارالحکومت شیرم کا گورنر بنایا گیا۔ اس وقت ان کی عمر 17 برس تھی۔ اپنی تمام خوبیوں کے ساتھ حکومت کر کے اپنی قابلیت و ذہانت کا سکہ بٹھایا اور 17 سال کی عمر میں ہی سندھ کی مہم پر سالار بنا کر بھیجا گیا۔ محمد بن قاسم کی فتوحات کا سلسلہ 711ء میں شروع ہوا اور 713ء تک جاری رہا۔ انہوں نے سندھ کے اہم علاقے فتح کئے اور رملتان کو فتح کر کے سندھ کی فتوحات کو پایہ تکمیل تک پہنچایا لیکن شمالی ہند کی طرف بڑھنے کی خواہش حالات نے پوری نہ ہونے دی۔

نظام رواداری ترمیم:

محمد بن قاسم کم سن تھے لیکن اس کم سنی میں بھی انہوں نے صرف ایک عظیم فاتح کی حیثیت سے اپنا نام پیدا کیا بلکہ ایک کامیاب منتظم ہونے کا بھی ثبوت دیا۔ انہوں نے تقریباً 4 سال سندھ میں گزارے لیکن اس مختصر عرصے میں انہوں نے فتوحات کے ساتھ ساتھ سلطنت کا اعلیٰ انتظام کیا اور سندھ میں ایسے نظام حکومت کی بنیاد ڈالی



جس نے انصاف کے تمام تقاضوں کو پورا کیا۔

محمد بن قاسم نے اپنی صلاحیتوں، جرأت اور حسن نذیر و اخلاق کے باعث ہندوستان میں جو کارنامے انجام دیے وہ قابل ذکر ہیں۔ سندھ کے عوام کے لیے انہوں نے رواداری کی بڑی عمدہ پالیسی اختیار کی۔ محمد بن قاسم کی سندھ کی فتح سیاسی، معاشرتی، مذہبی اور عملی ہر اعتبار سے بے شمار اثرات کی حامل تھی۔

شخصیت و کردار:

محمد بن قاسم ایک نوعمر نوجوان تھے۔ اس کم عمری میں انہوں نے سندھ کی مہم پر سپہ سالاری کی حیثیت سے جو کارنامے انجام دیے وہ ان کے کردار کی پوری طرح عکاسی کرتے ہیں۔ وہ زبردست جنگی قابلیت اور انتظامی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ ان کی ان صلاحیتوں کے ثبوت کے لیے سندھ کی مہم کی کامیابی کافی ہے۔ ان کے اخلاق و کردار کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ایک غیر قوم ان کی گرویدہ ہو گئی تھی۔ سندھ کے عوام ان سے حد درجہ چاہت کا اظہار کرنے لگے تھے۔

محمد بن قاسم جب سندھ سے رخصت ہونے لگے تو سارے سندھ میں ان کے جانے پر اظہارِ افسوس کیا گیا۔ ان کی وفات پر شہر کیرج کے ہندوؤں اور بدھوں نے اپنے شہر میں ان کا ایک مجسمہ بنا کر اپنی عقیدت کا اظہار کیا۔



آئیے جانیں گے

ہر تکلیف میں راحت پوشیدہ ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر پوری دنیا میں اپنے مصورانہ فن کے لیے شہرت رکھنے والا پکاسونے ”مونالیزا“ کی تصویر بنانے کے لیے چھ سال کے عرصہ کی کوشش کے بعد اسے عمل کر پایا۔ ہزاروں لوگوں نے کئی سال دن رات محنت کر کے عظیم دیوار چین کو تعمیر کیا۔ بیچ بونے کے بعد اس کی نگہداشت اور دیکھ بھال کی جاتی ہے۔ اسے روزانہ پانی دیا جاتا اور اس کا خیال رکھا جائے تو وہ ایک بڑے سایہ دار درخت میں تبدیل ہوگا۔ اس طرح کے کام کرنے والے لوگ ہر لمحہ اپنا خون پسینہ بہائے لیکن ان کے ان تکالیف کا نتیجہ ہر لحاظ سے



ان کی مسرت کا باعث بنا۔ شوق سے کسی کو انجام دینے پر ہر لمحہ کی مشکل میں بھی خوشی و مسرت ہوتی ہے۔
 فروخت کرنے والا (Salesman) کے لیے ایک نشانہ مقرر کیا جاتا ہے کہ وہ مقررہ وقت میں ہی اپنے
 نشانہ کو حاصل کرے جس کے لیے وہ ایک عملی منصوبہ تیار کر لیتا ہے اور اس کے مطابق اپنی سرگرمی کو جاری رکھتا ہے
 جس کے ذریعہ وہ گاہکوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اپنے عملی منصوبہ میں اس بات کی بھی گنجائش رکھتا ہے کہ
 مختص کردہ وقت ہر گاہک تک نہ ملے تب وہ ایک سے کئی بار ملنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے لیے دشوار کن امر ہو سکتا
 ہے لیکن اس کے باوجود وہ اپنے نشانہ کے حصول کی غرض سے تمام تکالیف کا سامنا بخوشی کرتا ہے۔ اس لیے کہ اس
 کے ذہن میں بعد میں ملنے والی مسرت ہوتی ہے۔ کسی کام کے بارے میں نہ جانے کے بجائے اگر کوشش اور محنت
 سے اسے سیکھ لیا جاتا ہے تو جو خوشی ہوتی ہے وہ ناقابل بیان ہوا کرتی ہے۔

مسلسل جدوجہد کے ذریعہ ہندوستان کا نام روشن کرنے والے سچن تنڈولکر، ظہیر خان، وشوانا تھانند، جیسے
 کئی کھلاڑی ہمارے لیے باعث فخر ہے۔ ہر علاقہ میں اپنی محنت، لگن اور جتو سے فتح حاصل کرنے والے پائے
 جاتے ہیں۔ ہمیں بھی چاہئے کہ محنت کے عادی بنیں اور کامیابی حاصل کر لیں۔



14۔ سماجی خدمت

- I۔ اہم قدر : خدمت کا جذبہ
- II۔ ذیلی قدر : عام آدمی غیر معمولی خدمات انجام دیتا
- III۔ متوقع نتائج / مقاصد:

☆ سماجی خدمت کرنے کے لیے دولت سے تعلق نہ ہوتے ہوئے اچھا ذہن ہونا چاہئے۔ معلوم کرنے کے قابل ہونا۔
☆ طلباء میں سماجی خدمت کرنے کا خیال پیدا کرنا

IV۔ تمہید:-

سماج میں کئی قسم کے آدمی پائے جاتے ہیں گروہ پائے جاتے ہیں۔ ذاتیں پائی جاتی ہیں۔ امیر اور غریب رہتے ہیں۔ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ ان تمام کے مقاصد الگ الگ ہیں۔ چند دولت مند افراد ضرورت سے زیادہ آرائش و زیبائش کے لیے دولت کو خرچ کرتے رہتے ہیں۔ عام انسانوں میں چند کو سماجی خدمت کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ سماج سے کوئی امید نہ رکھتے ہوئے بے لوث خدمات انجام دینے والے افراد بھی پائے جاتے ہیں۔ کسی بھی غرض کے بغیر سماج کی خدمت کرتے رہتے ہیں۔ ان کی محنت کو سراہنا چاہئے۔ خدمت کے لیے دولت اہم نہیں ہے۔ اچھا ذہن ہونا چاہئے۔ اس قسم کے افراد کے تعلق سے ذیل کے واقعات کے ذریعہ معلوم کر لیں گے۔

V: موضوع:

واقعہ نمبر 1:-

جماعت ششم کے طالب عمل درمی پٹی رامیا اپنے استاد ملیشم کے ذریعہ پڑھائے جانے والے سبق کو توجہ

سے سن رہا تھا۔ درختوں سے اتنے فوائد ہیں کیا؟ رامیانے رہ نہ سک کر پوچھ لیا؟
 ہاں بیٹا ہیں استاد نے کہا: بس کرہ جماعت سے اٹھ کر چلا گیا پھر رامیا اسکول کو نہیں آیا۔
 آج تک درختوں کو بوتے ہی رہا ہے۔ ان کا تعلق ہماری ریاست سے ہے۔ ضلع کھم والوں کے لیے جانا
 پہچانا شخص ہے۔

ضلع کھم کے ریڈی پٹی کے مقیم رامنا سے ملنا ہو تو تقریباً چار کیلومیٹر لاپے سڑک پر دونوں جانب مکمل طور
 پر نشوونما پائے درختوں کے نیچے سے گذرنا پڑتا ہے۔ ریڈی پٹی گاؤں میں اس کا گھر ہرارتا ہے۔ آنکھوں کو سکون
 حاصل ہوتا ہے۔ گھر کے پچھلے حصہ میں اس کو تین ایکڑ کھیتی ہے۔ اس میں جنگل کی طرح ہی پھیلے ہوئے درخت
 پائے جاتے ہیں۔ گھر سے چار کیلومیٹر کے فاصلہ پر اس کو سات ایکڑ کا باغ ہے۔ وہ گھنے جنگل کی طرح ہے۔ یہ
 تمام اس کے افزائش کردہ درخت ہی ہیں۔ یہ تمام رہنے کے باوجود بھی بے صبری سے گھومتے ہی رہتا ہے۔

رامیا صبح ہی سیکل پر سوار پودوں کو رکھ لے کر روانہ ہوتا ہے۔ پڑوس کے دیہاتوں کو گھوم کر آتا ہے۔ صبح کے
 وقت طلباء کو پودے تقسیم کرتا ہے۔ دوپہر تک گھر گھر خواتین کو جنگلاتی تحفے فراہم کرتا ہے۔ شام تک راستے میں
 درختوں کے نیچے گرے ہوئے بیجوں کو جمع کر کے ان بیجوں کو پہاڑوں پر بکھیرتا ہے۔ وہ ہفتہ میں دوبار کھم کی
 لائبریری کو جا کر ماحولیات کی خبروں کے تعلق سے نکات لکھتا ہے۔ درختوں کی تاریخ کو پڑھتا ہے۔ ان کے تعلق
 سے لکھے گئے نظموں کا ابتدائی لکھتا ہے۔

اتنا ہی نہیں وہ پیرٹوٹنے پر بھی تشہیر کو نہیں روکا۔ خود کھائے ہوئے مومبئی کے بیجوں کو علیحدہ کر کے رکھ لیا۔ ”ہم
 درخت کی حفاظت کریں تو درخت ہماری حفاظت کریں گے۔“ ماحولیات کے نعرہ کو پتھروں پر تراشنا اور اپنے ہاتھ
 پر بھی اسی نعرے کو کندہ کرتا۔ گھر کی دیواروں پر بھی ہری بھری تحریر، دیواروں پر ہی نہیں بلکہ اچار کے مرتبان کو
 بھی نہ چھوڑتے ہوئے وہ ماحولیات کے نعرے لکھتا۔ وہ خود اپنی گاڑی کو ماحولیات کی جھانکی کی طرح سنوارتا۔
 ٹراکٹر کے پہیوں کے ٹائروں پر گول واچروں پر رنگ کی ڈبیا خرید کر ہرے الفاظ سے خوبصورتی کے ساتھ لکھتا ہے۔
 تلگوحروف میں چند علامات پائی جاتی ہیں ان کو وہ ہندی کی طرح نقش کرنا اس کی خصوصیت ہے۔



ایک دن رامیا ہاتھوں اور کندھوں پر پودوں کو رکھ لے کر بس میں سوار ہوا۔ اس دن پہلی مرتبہ پڑھا کہ ہر فرد جس میں 50 کیلو سامان مفت لے جاسکتے ہیں۔ فوری بس سے اتر کر پھر واپس جا کر 50 کیلو کے برابر پیالیس سالوں سے وہ درختوں کو بوتے ہی رہ رہا ہے۔ کیونکہ درخت کی کوہ اور جنگل اس کی دوسری دنیا نہیں ہوتی۔ سماج دوسری دنیا سمجھ کر اس کا ہر فرد کے پاس صبر کے ساتھ جانا اس کی اچھی صفت ہے۔ وقت رک سکتا ہوگا لیکن رامیا کی سیکل کا محلہ میں نہ آنا نہیں ہو سکتا وہاں کے عوام کا بیان ہے۔

واقعہ نمبر 2:-

راما کرشنا کے والدین کا وطن حیدرآباد اور وہ مدراسی ہے۔ راما کرشنا کا جائے پیدائش حیدرآباد ہی ہے۔ لیکن بچپن میں مدارس کو جا کر تعلیم حاصل کر کے وہیں تجارت کے شعبوں میں کچھ عرصہ نوکری کیا۔ ایمر جنسی کے دوران نوکری چلی گئی۔ اس لیے وہاں سے ایک سوٹ کیس میں دسویں جماعت کی سند رکھ لے کر کوئی اچھی نوکری تلاش کرنے کے لیے ممبئی آیا۔ ریل اترنے تک سوٹ کیس چوری ہو گیا۔ پریشان ہو کر کوئی بھی نوکری ہو سمجھ کر بندرگاہ میں سامان چڑھانے اور اتارنے کا مزدوری کا کام کرنے لگا۔ ایک لوڈ لوہے کے ٹکڑے تیزی سے اس کے پیر پر گر گئے۔ اس کے نیچے اس کا پاؤں پھنس گیا۔ بے ہوش ہو جانے والا وہ شخص دوا خانے سے باہر آتے وقت ایک ہی پیر دکھائی دیا۔ اس وقت سے جے پور کا پیر اس کا سہارا بنا۔

اس کے بعد ایک کمپنی میں خطوط کو علحدہ کرنے کا کام کچھ عرصہ ہوا۔ اس کمپنی کا دیوالیہ نکلنے پر آخر کار وہ اپنے ماں کے گاؤں حیدرآباد کے حمایت نگر کو اپنے خیرانی پیر کے ساتھ ہی پہنچ گیا۔ دودھوں کے بعد!

حیدرآباد کی شکل و صورت تبدیل ہو گئی۔ اس کے کوئی رشتہ دار نہیں دکھائی دیئے۔ کیا کرنا چاہئے، سمجھ میں نہ آ کر نا امید ہو کر پھرتے پھرتے تھک کر اس رات کو گنیش کی مندر کے قریب سو گیا۔ دوسرے دن وہیں پر بیٹھے رہنے سے کوئی وہاں پر چہل چھوڑ کر گئے۔ چھوڑے ہوئے چہل لے کر ہاتھ میں آدھا روپیہ رکھ کر گئے وہ دن گذر گیا۔ اسی طرح دودھ گزر گئے۔ بیس سال یہی حال رہا۔

ایک سال اپنے پاس ایک ہزار روپے ہیں سمجھ کر ان سے چند جوڑ موزے خریدا۔ دونوں ہاتھوں میں موزے پہن



کر روزانہ بیٹھنے کی جگہ سے پرے ہٹ کر بیٹھا۔ اس کو دیکھ کر مندر کا چوکیدار سر سے پیر تک دیکھنے لگا۔ چند اور چھوٹے تاجر آنکھ لال کر لیئے۔ ہم سے آگے بڑھ جائیں گا سمجھ کر تکلیف، پریشانی، جذبات اور غصہ کو ان کی نگاہوں میں دیکھ کر سمجھ لیا کہ ایک مرتبہ چھوٹی سطح پر زندگی گزارنے کے بعد وہ اونچی سطح پر زندگی گزارنے پر سماج برداشت نہیں کرے گا۔ ان سے مقابلہ کرتے ہوئے ٹھہرنا اس کا دل نہیں چاہا۔ ان دونوں کو چھوڑ کر چیلوں کی نگرانی کرتے ہوئے ہی رہ گیا۔

اپنے ہاتھ میں رکھے جانے والے ہر روپے کو وہ ضائع نہ کرتے ہوئے اس سے وہ اپنی کم از کم زندگی کے ضروریات کو پورا کر کے بچے ہوئے پیسوں کو ہر سال جنے پور کے خود کو دیئے گئے خیراتی پیر کے ادارے کو چندہ کے طور پر بھیجتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ کسی اتا تھ آشرم کو یا پیسوں کے ضرورت مندوں پریشان لوگوں کو منی آرڈر کرتا ہے۔ میرے پاس موجود دولت میری نہیں ہے۔ کوئی آپ کے جیسے لوگ ہی دیتے ہیں۔ اس سے روز دو وقت کھانا کھاتا ہوں۔ اس فٹ پاتھ پر سوتا ہوں۔ بیس سالوں سے یہی زندگی ہے۔ مجھے کوئی بچے وغیرہ نہیں ہیں کہتا ہے۔ بس کچھ نہیں۔ مجھ جیسے لوگوں کو میں ہوں نا کہہ کر بھروسہ دیتا ہوں۔ ان کے پاس سے میری خیر خیریت کی دعا ملے تو میں خوش ہوتا ہوں کہتا ہوں۔

VI: (الف) غور کرنا - رد عمل کا کرنا

- 1- مندرجہ بالا دو واقعات کو سننے کے بعد ان سے آپ کو کیا سمجھ میں آیا؟
- 2- عام آدمی ہی اتنے بڑے کام کر رہے ہیں، ان کے تعلق سے آپ کیا سمجھ رہے ہیں؟
- 3- کیا خدمت کرنے کے لیے دولت کی ضرورت ہے؟ کیا انسانیت چاہئے؟ کیوں بحث کیجئے؟

(ب) عمل کرنا - تجربات بیان کرنا

اس ہفتہ تمام آپ کوئی چھوٹی چھوٹی خدمات کیجئے۔ کب، کہاں اور کیسے کئے۔ ایک فہرست تیار کیجئے۔
آپ کے تجربات کو بیان کیجئے۔

﴿.....جانیے.....﴾

چند افراد مثالی نمونوں کی تعلیم دینے والے ہیں۔ چند افراد مثالی نمونوں پر عمل کرنے والے ہیں۔ چند افراد مثالی نمونوں کو زور دار انداز میں بیان کرنے والے ہیں۔ چند افراد مثالی نمونوں کے بھیس میں اپنا فائدہ کر لینے والے ہیں اور چند افراد خود کی تشہیر کے لیے کھینچ تان کرنے والے ہیں۔ پھر کون مثالی ہے؟ ہمارے سماج میں اکثر افراد کو مثالی نمونوں کو بیان کرنے والوں پر پائی جانے والی عقیدت ان کی تعلیم کردہ مثالی نمونوں کو عمل کرنے میں نہیں رہتی۔ مثلاً

گانڈھی جی پر پائی جانے والی عقیدت گانڈھی جی کے بتائے ہوئے عمل کئے ہوئے مثالی نمونوں پر نہیں رہتی۔ بزرگوں کے ملفوظات کو منظوم انداز میں پیش کرتے ہوئے جو دلچسپی پائی جاتی ہے ان کے ملفوظات میں بتائے گئے سماجی جذبہ خدمت کو عمل کرنے میں نہیں رہتی۔ اس طرح دوسرے مقررین اور قائدین کے بارے میں بھی یہ ہمیشہ خبروں میں پائے جانے والی شخصیات کی طرح دکھائی دیتے رہتے ہیں۔

انفرادی تشہیر کسی بھی طرح رکاوٹ نہ بنے احتیاط بھی برتتے رہتے ہیں۔ ان کے بالکل مخالف چند افراد رہتے ہیں۔ وہ کبھی بھی شہ نشین پر نہیں بیٹھتے۔ تقاریر نہیں کرتے۔ اخباروں کے اشتہارات میں نہیں پائے جاتے۔ وہ بہت ہی عام دکھائی دیتے ہیں۔ ان کو جب بھی معلوم ہوتا ہے اپنے سے جتنی ہو سکتی وہ دوسروں کی مدد کرتے ہیں۔ وہ امداد کسی مثالی نمونوں کے تحت آتی ہیں۔ کسی کے تعلیم کردہ اصولوں کے حدود میں پائے جاتے ہیں ان کو ضرورت نہیں ہے۔ اصل میں اس طرح کے اصول ہیں وہ جانتے ہی نہیں۔ ان کو تشہیر کی ضرورت نہیں ہے۔ TV چینلس میں ان کے تعلق سے قسط وار کہانیاں دکھائیں گے ایسی کوئی سوچ ان کو ہرگز نہیں رہتی۔ یہ افراد دولت مند ہونا ضروری نہیں ہے۔ عہدوں کی ان کو ضرورت نہیں ہے۔ ان کے اندر پائی جانے والی ایک ہی قابلیت صرف انسانیت ہے۔

ان میں سکندر آباد کے مونڈا مارکٹ میں گنے کارس فروخت کرتے ہوئے شادیاں کرنے والے نور بھائی کے جیسے، مندر کے باہر چیلوں کی نگرانی کرنے پر آنے والے پیسوں میں کچھ حصہ کو مصنوعی پیر دینے والے جے پور



کے ادارے کو بھیجنے والے رام کرشنا جیسے، گذشتہ چالیس سالوں سے سیکل پر ہرے پودوں کو رکھ کر گاؤں گاؤں پھرتے ہوئے ان کو تمام افراد میں مفت تقسیم کرنے والے رامیا جیسے افراد یہ تمام معمولی افراد ہیں۔

سب رہتے ہوئے اور کچھ نہیں ہے سمجھنے والوں کو یہ لوگ ترغیب دلانے والی شخصیات ہیں۔ زندگی میں جذبہ خواہش کو زندگی بھر کے لیے ثبوت ہیں۔ خدا کا انسانی روپ میں پائی جانے والی زندہ مثالیں ہیں۔

جسم ہے، جان ہے، خون ہے، طاقت ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس سے فوج ہوگی کیا سمجھنے والے کسی بھی فرد کی خدمات عام آدمیوں میں سے عام آدمی ہیں۔

کسی کو کسی بھی قسم کی مدد کرنے کے لیے امیر ہونے کا کوئی اصول نہیں ہے۔ کتنا ہی غریب کیوں نہ ہو، بد قسمت کیوں نہ ہو۔ دوسروں کی تھوڑی بہت مدد کر سکتا ہے۔ یہ مدد رقم کی شکل میں ہی ہونا ضروری نہیں ہے۔ زبانی مدد ہو سکتی ہے۔ اخلاقی مدد ہو سکتی ہے۔ کام کی مدد ہو سکتی ہے۔ ہم دوسروں کی کس طرح مدد کر سکتے ہیں۔ سوچنا ہی بہت اہم ہے۔ ہماری جانب سے کی جانے والی چھوٹی چھوٹی مدد کی وجہ سے قریبی دوستوں کو ہی حاصل نہیں ہوتے بلکہ روحانی سکون حاصل ہوتا ہے۔ ”خدمت خلق ہی خدمت خدا ہے“۔ خیال کرتے ہوئے جذبہ خدمت کو بڑھائیں گے۔

﴿قول﴾

اس دنیا کو ایک چھوٹا چراغ، جتنی روشنی نہیں دے سکتا
 اتنی روشنی ایک اچھا کام دے سکتا ہے۔ (ٹیکسیر)



15- خواتین کا احترام

- I- اہم قدر : مساوات، بھائی چارگی، خواتین کے تئیں احترام
 II- ذیلی قدر : خواتین کے تئیں احترام کے جذبہ کو فروغ دینا
 III- متوقع نتائج / مقاصد:

☆ خواتین کا احترام کس طرح کرنا چاہئے۔ واقف ہوں گے۔

☆ سماج میں خواتین کا احترام کریں گے۔

IV: تمہید:

خاندان ہمارے سماج کے لیے مرکزی حیثیت رکھتا ہے اور خاندان میں خاتون ایک اہم شخصیت ہے۔ اس لیے ان کی شناخت کرتے ہوئے ہمارے گھروں میں ہمارے سماج میں ان کی عزت و احترام کرنا ہمارا فرض ہے۔ خواتین کو عام معاملات میں مساوی حقوق فراہم کئے ہیں۔ ان کے بھائی اور بہن کا رشتہ ہونا چاہئے۔ خواتین کی بے عزتی اور انہیں کم تنگ نظری سے نہ دیکھنا چاہئے۔ خواتین کو سماجی شہری کا درجہ دیتے ہوئے سماج میں انہیں مناسب مقام دیکر ان کی حفاظت کرتے ہوئے انہیں ہر میدان میں بااختیار بنائیے۔

V- موضوع:-

کیا آپ ان بیانات کو سنا ہے؟

بہی ہمیشہ پرانی ہوتی ہے۔

☞ رونے والی عورت اور ہنسنے والا مرد پر بھروسہ نہ کریں۔

☞ عورت کا کام صرف چولہا ہنڈی۔

☞ تعلیم حاصل کرنا صرف مردوں کا حق ہے نہ کہ عورتوں کا۔

☞ بیٹے کے ولادت پر جشن اور بیٹی کے ولادت پر غم۔

حفاظت کیسی؟

ایک گھر میں بیوی کو شوہر برا بھلا کہتا ہے اور گالیاں دیتا ہے۔ لیکن بیوی ہمیشہ شوہر کو عزت و احترام سے پیش آتی ہے۔

گھر کا مالک خادمہ سے بھی بدکلامی سے پیش آتا ہے اور اسے گری ہوئی نظروں سے دیکھتا ہے۔

اشتہارات:

تجارت، فلم وغیرہ کے پوسٹرس میں خواتین کے تصویریں غلط طور پر نمایاں کی جا رہی ہے۔ اخبارات کے ہر صفحات پر خواتین کے تصویروں اور وہ بھی کم لباس زیب و تن کئے تصویروں کو شائع کیا جا رہا ہے نہ کہ مردوں کے تصاویر کو۔

ہر فلم میں خواتین کو ناچنے گانے کے لیے لطف اندوز ہونے کے لیے غلط طریقہ سے پیش کیا جا رہا ہے۔ TV کے اشتہارات میں بھی خواتین کو غیر ضروری غلط طور پر نمایاں کیا جا رہا ہے۔ ڈرامہ فلم کے کردار خواتین کو کم نظری سے اور ان کا استحصال کرتے ہوئے دو معنی مکالمہ استعمال کرتے ہوئے فلمیا جا رہا ہے۔

گالیاں:

عام طور پر گھروں میں لڑکیوں اور دیگر خواتین کو مختلف غلط الفاظ سے مخاطب کیا جاتا ہے اور گالیاں دیئے جا رہے ہیں۔ ہر معاملہ میں خواتین کو ہی بنیاد بنا کر گالیاں دی جا رہی ہیں۔ دو معنی الفاظ سے گفتگو کرتے ہوئے ان کے دل کو ٹھیس پہنچایا جا رہا ہے۔ ڈرایا، رولایا جا رہا ہے۔

برتاؤ کا طریقہ:

ایک گاؤں میں ایک جلسہ کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس جلسہ میں گاؤں کے تمام مرد و خواتین کو مدعو کیا گیا تھا۔ لیکن جلسہ کے منتظمین نے مردوں کے لیے کرسیوں کا انتظام کیا اور خواتین کو فرش پر بٹھایا۔

ان کی بات کو قدر نہ دینا

●● اکثر خاندان میں بیٹی کی شادی یا پھر دوسرے پروگرام کے دوران شوہر بیوی کی باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کی باتوں کو قدر دینے بغیر اپنی مرضی کے مطابق ہی تمام کاموں کو انجام دیتا ہے۔

●● ایک گاؤں میں گرام پنچایت کا اجلاس چل رہا تھا۔ اس اجلاس میں خواتین بھی اراکین ہیں۔ گاؤں کے مسائل کے حل سے متعلق مباحثہ جاری تھا۔ ہر ایک فرد بحث میں حصہ لے رہا ہے جب مسائل کے حل کے لیے خواتین مشورے دینے کے لیے آگے بڑھیں تو ان کو موقع نہیں دیا گیا۔ بالآخر اس اجلاس کا اختتام مردوں کے فیصلے پر ہی ہوا۔

VI: (الف) غور کرنا - رد عمل کا کرنا

- 1- اوپر کے بیانات کو آپ نے سنا ہے۔ آپ نے کیا سمجھا؟
- 2- آپ کے گھر میں آپ کے والد، والدہ کی کس طرح احترام کرتے ہیں؟
- 3- خواتین کے بے عزتی سے متعلق واقعات، TV اور سینما پر بتلائے جا رہے ہیں۔ خواتین کو کس طرح دیکھا جا رہا ہے؟
- 4- آپ کے گاؤں میں خواتین کو کس طرح دیکھا جا رہا ہے؟
- 5- گھر میں اور سماج میں خواتین کی بے عزتی اور عزت سے متعلق واقعات بتلائیے؟
- 6- خواتین کے ساتھ بے عزتی سے پیش آنے سے کیا مراد ہے؟
- 7- خواتین کا کس طرح احترام کریں؟
- 8- گھر میں سماج میں لڑکے اور لڑکیوں کے درمیان کن کن چیزوں میں فرق پایا جاتا ہے؟ اور کیوں؟

(ب) عمل کرنا۔ تجربات بیان کرنا

اس ہفتہ میں آپ اپنے گھر میں اور سماج میں (خواتین کے ساتھ) عزت و احترام سے گفتگو کرنے کی کوشش کیجئے۔ آپ تجربات بیان کیجئے۔

﴿معلوم کیجئے﴾

سماج میں کئی طرح کے عدم مساوات پائی جاتی ہیں۔ عدم مساوات سے شکار تمام طبقات میں خواتین زیادہ عدم مساوات کا شکار ہو رہے ہیں۔ خاندان کو ہمارے سماج میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ آج بھی گاؤں میں عورتوں کو صدر خاندان کی بیوی، بیٹی، بہن، ماں کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہے کہ اس سماج میں عورت کا کوئی اپنا مقام نہیں ہے۔ سماج میں آج بھی یہ تصور پایا جاتا ہے کہ لڑکی کی پیدائش سے میں غلام بن گیا ہے۔ لڑکے کو اپنا وارث مان کر دیگر خاندان کے اس پر زیادہ توجہ دی جا رہی ہے۔

پرورش کے معاملہ میں لڑکیوں سے کہیں زیادہ لڑکوں کو دلچسپی دی جا رہی ہے۔ آج بھی لڑکی کو دوسرے گھر کی امانت مانا جاتا ہے۔ اسے اپنے گھر کا تصور نہیں کیا جاتا۔

سماج میں آج بھی لڑکیوں کی پیدائش سے لے کر ان کی پرورش تک ان کو کم نظری سے دیکھا جا رہا ہے آج بھی لڑکیوں کو تعلیم، مہارتیں اور پیشہ سے متعلق مواقع بہت کم دستیاب ہو رہے ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ گفتگو اور برتاؤ پر کئی پابندیاں اور رکاوٹیں حائل ہیں۔ اسی لیے کئی لڑکیوں کو بنیادی علم کے بغیر اپنی زندگی گزار رہے ہیں۔ غذا دینے میں، کام کی تفویض دیگر معاملات میں کافی امتیاز برتا جا رہا ہے۔ شادی کے وقت میں بھی لڑکوں کو ہی اہمیت دی جا رہی ہے۔ اولاد نہ ہوتی تو بیوی عورتوں کو ہی تصور وارٹھرایا جا رہا ہے۔

چند لوگ اپنی جائیداد کو لڑکوں کے نام پر ہی رجسٹر کروایا جا رہا ہے۔ اس طرح نسل در نسل خواتین، لڑکیاں صنفی امتیاز کے شکار ہو رہے ہیں۔ گھر اور سماج دونوں جگہ کام کام سنبھال رہے ہیں۔ اس دن ہو کہ رات، بارش ہو کہ دھوپ زیادہ تر گھریلو کام خواتین لڑکیاں ہی انجام دیتی ہیں۔



ہمارے سماج میں روایتی طور پر یہ سمجھا جا رہا ہے کہ ملازمت مردوں کے مخصوص اور اس کو یہ کام انجام دینا خواتین کو گھر کے کام کے لیے مختص کئے گئے ہیں۔ خواتین کے لیے پابندیاں، رکاوٹیں عائد کر دی گئی ہیں اور مختلف بیانات محاورہ، استعمال کئے جا رہے ہیں۔ خواتین کا احترام نہیں کیا جا رہا ہے۔

اگر خواتین کسی مجموعہ میں تقریر کریں یا مرد افراد کے خیالات کے خلاف گفتگو کریں تو انہیں حقارت سے دیکھا جا رہا ہے۔ ان کے لیے کئی غلط الفاظ، گالیاں استعمال کر رہے ہیں۔ خواتین کے کاموں کو مساوی قدر دیتے ہوئے احترام نہیں کیا جا رہا ہے۔

موجودہ سماج گھر ہو کہ باہر ہر جگہ خواتین کو ستایا جا رہا ہے اور ان کا استحصال کیا جا رہا ہے۔ انہیں کہیں بھی تحفظ نہیں ہے۔ اسی طرح TV کے پروگرام، فلم، اخبارات کی تحریریں وغیرہ بھی خواتین کی تذلیل کی جا رہی ہیں۔ اس طرح خواتین پر ظلم و زیادتی کی جا رہی ہے۔

آج خواتین مختلف میدانوں میں کام کرنے کے باوجود ان کے کئے گئے کام کی نہ تو شناخت نہیں کی جا رہی ہے اور نہ ہو رہی ہے۔ انہیں ترقی حاصل کئے بغیر کئی طرح کی پابندیاں، رکاوٹوں سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے۔ خواتین کی ذہنی، جسمانی، سماجی نشوونما اور ترقی کو کچل دیا جا رہا ہے۔

سماج میں خواتین کے تئیں اتنی تذلیل و کم نظری نہیں ہونی چاہئے۔ اس حقیقت کو قبول کر لینا چاہئے کہ خواتین کی ترقی و بااختیاری کا تعلق ملک کی ترقی سے ہے۔

مثلاً ایک خاندان کو خوشحال زندگی گزارنے کے لیے میاں اور بیوی دونوں میں ایک دوسرے کی قدر، عزت و احترام، پیار و شفقت سے پیش آنا چاہئے۔ ایسی طرح سماجی ترقی حاصل کرنا ہو تو مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کا بھی احترام کریں۔ انہیں خصوصی حقوق، مواقع فراہم کریں۔ مختلف طریقوں سے ان کی ہمت افزائی کریں۔ دیہاتوں کے علاوہ شہروں مختلف دفاتر تعلیمی ادارے، اسکول وغیرہ میں خواتین کو بھی ساتھی فرد تصور کرتے ہوئے ایک بہن یا ایک ماں کا درجہ دینے والے اعلیٰ اقدار کی طرف نئی نسل کو گامزن ہونے کے لیے ہر ایک کو کوشش کرنا چاہئے۔ اس طرح ہم خواتین کا احترام کرتے ہوئے اپنے سماجی اور قومی ترقی حاصل کریں گے۔



16۔ ہندوستان کی عظمت

- I۔ اہم قدر : قومی جذبہ۔ حب الوطنی
 II۔ ذیلی قدر : ملک کی عظمت کو بلند یوں کو پہنچانا
 III۔ متوقع نتائج مقاصد:

- ☆ ملک کی عظمت کو جانیں گے۔
 ☆ ملک کا نام روشن کرنے والوں کی توصیف بیان کریں گے۔
 ☆ ان سے ترغیب حاصل کریں گے۔

IV۔ تمہید:

ہمارا ملک ہندوستان ہے۔ ہندوستان کا نام سارے عالم میں روشن کرنے والے کئی عظیم شخصیتیں ہیں۔ کئی عظیم ہستیاں کئی میدانوں میں محنت کر کے سارے عالم کی رہنمائی کرنے کا فخر ہمارے ملک ہندوستان کو حاصل ہے۔ زمانہ قدیم سے لے کر آج کے دور جدید تک کئی اصلاحات تعلیمی و طبی میدانوں میں محنت ہی نہیں کی ہے بلکہ آنے والے نسلوں کے لیے ترغیب کا ذریعہ بنا کھڑا ہے۔ ہندوستان کو اونچا مقام دلانے والے ادارے، شخصیتیں، فنون اور مختلف تہذیبیں قدم قدم پر ہمیں ترغیب دلاتی ہیں۔

V: مضمون:

- 1۔ خبر۔ عالمی کرکٹ کھیل مقابلے ہو رہے ہیں۔ ہندوستان کرکٹ کا ورلڈ کپ حاصل کر لیا۔ دوسرے ممالک

ہندوستان کی تعریف کی۔ یہ موقع کھیلوں کی تاریخ میں ہندوستان کا نام سنہری الفاظ میں لکھنے کا ہے۔

2- خبر: ساری دنیا کا سب سے بڑا کمپیوٹر کا ادارہ میکروسافٹ کا (CEO) نگرار آفیسر کے عہد پر ایک ہندوستانی نادیلا، ستیہ کا تقرر عمل میں آیا۔ کئی افراد کو ناکہتے ہوئے اس عہد کو نادیلا ستیہ کو ملنا ہندوستان کے لیے باعث فخر ہے۔

1: بیان:-

آج ہم ہندوستانیوں کے احسان مند ہیں۔ ہندوستانی ہی سارے عالم میں ریاضی کو آسانی سے حل کرنے کا عشیری نظام دریافت کیا۔ آج اگر ہونہ ہوتا تو کئی سائنسی مسائل کا حل ناممکن تھا۔ (البرٹ آئنسٹین)

2- بیان:-

آج کا علم فلکیات، ریاضی، نجوم، فلسفہ، منطق وغیرہ کے علوم پوری طریقہ سے دریائے گنگا کے کنارے سے ہی ہمیں حاصل ہوئے ہیں اس میں پورا کامل یقین ہے۔ ہمیں خاص طور پر کیا غور کرنا چاہئے کہ کم از کم 2500 سال قبل فیثاغورث یونان کے ساموس سے دریائے گنگا کے کنارے پہنچ کر جیومیٹری سیکھی۔ (والٹیر فرانکس، فرانسیسی مصنف، فلسفی)

3- بیان:-

سب سے پہلے میدان طب میں اطباء کو متعارف کروانے والا ملک ہمارا ہندوستان ہے۔ ہمارا ملک جدید علم طب کو بھی کئی فائدے پہنچایا ہے۔ کئی کیمیائی مادوں کی دریافت کی وجہ سے ٹوٹی ہوئے ناک، کان کو جوڑنے کا طریقہ دریافت کر کے سارے عالم کی مدد کی۔ اس سے بھی زیادہ ریاضی کے میدان میں ہندوستان کی قابلیت بظاہر ہوتی ہے۔ الجبرا، جیومیٹری، علم فلکیات، جدید سائنسی علوم کی ترقی میں امداد کرنے یہ علوم ہندوستان ہی میں دریافت ہوئے ہیں۔ (سوامی وویکانند)

VI



VI: (الف) غور کرنا - رد عمل کا کرنا

- 1- ملک کی عظمت کا احساس عوام کو کب ہوتا ہے؟
- 2- ہندوستان کے قابل فخر شخصیتیں جنہیں آپ جانتے ہیں ان کے بارے میں بتائیے؟
- 3- شہر آفاق سائنسداں آئنسٹائن کے بیان سے آپ کی سمجھ میں کیا بات آئی؟
- 4- ہمارے ملک ہندوستان کی عظمت کو بلند کرنے کے لیے آپ ایک مستقبل کے شہری کے ناطے کیا کریں گے؟

(ب) عمل کرنا- تجربات بیان کرنا

ہمارے ملک ہندوستان کی عظمت کو بلند کرنے کے لیے کئی میدانوں میں کئی اہم شخصیتوں نے اپنی اپنی خدمات انجام دی۔ ایسے افراد کے تعلق سے معلومات اکٹھا کر کے اپنے خیالات کا اظہار کیجئے۔

﴿جانئے﴾

اچھائی کو حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا ہندوستانیوں کی خصوصیت ہے۔ کثرت میں وحدت ہمارے ملک کی خاصیت ہے۔ مختلف زبان بولنے والے، مذہب، ذات اور فرقے اس ملک میں مل جل کر زندگی بسر کرتے رہتے ہیں۔ سارے عالم میں اس طرح کا امتزاج کہیں نظر نہیں آتا۔ ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی، بدھ، جین جیسے مذاہب کو یہاں پر عزت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ انگریزی، عربی، فارسی جیسی غیر ملکی زبانوں کو بھی یہاں پر خاص مقام حاصل ہے۔ ”مہمان خدا کی رحمت ہے“ کہتے ہوئے ان کی خوب مہمان نوازی کی جاتی ہے۔ ان کی خوب خاطر مدارت کرتے ہوئے ان کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ رکھنا یہ ہندوستانیوں کا شعار ہے۔ سچائی، ایمان داری، انصاف، رحمہلی، خیر و خیرات، برداشت، عفو و درگزر جیسی خصوصیات ہندوستانیوں کی میراث ہے۔ سرزمین ہند پر جنم لینے والوں کے لیے یہ دیئے گئے زیورات ہیں۔ ان ہی نیک صفات کی وجہ سے

ہندوستان کی عظمت سارے عالم کے لیے مشعل راہ بنی ہوئی ہے۔

ہندوستانیوں کے لیے قابل فخر کئی تہذیبیں ہیں۔ اس ملک کی عوام غریبی اور تنگ دستی میں بھی خوشحال رہنے کی وجہ اطمینان اور دلی سکون کو اہمیت دیتا ہے۔

ہندوستانی تہذیب میں جس طرح عورتوں کی عزت کو اہمیت دی جاتی ہے سارے عالم میں اس کی مثال کہیں نہیں ملتی۔ ضعیفوں اور بزرگوں کا احترام کرنا ان کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا ہماری تہذیب کا حصہ ہے۔ اسی طرح خاندانی نظام کا رواج ہندوستان کا شعار ہے۔ اچھی بات چاہے کہیں بھی ملے اس پر عمل کرنا، بزرگوں کی بتائی ہوئی راہ کو اختیار کرتے ہوئے خاندانی رواج کو نسل در نسل او بھر پور پوری قوم کو منتقل ہوتا ہے۔ مشترکہ خاندان میں پائے جانے والے فائدے کے پیام کو سارے عالم میں ہمارا ملک ہی دیا ہے۔

اس طرح ہمارا ملک دنیا کا سب سے بڑا جمہوری ملک کہلاتا ہے۔ زمانے قدیم کے دانشوروں کا خیال تھا کہ اگر سارے ملک کی سرکاری زبان اور سارے ملک کا ایک سرکاری مذہب نہ ہو تو وہ قوم قائم نہیں رہ سکتی۔ ہندوستانی قوم کو متحد رکھنے کی طاقت ہندوستانیوں میں نہیں ہے اور کہا گیا وہ ملک جہاں غربت راج کرتی ہے وہاں پر جمہوریت قائم نہیں رہ سکتی۔ لیکن ہمارا ملک آج ان کے لیے ایک سوال بن کر کھرا ہے۔ لیکن آج ہم کثرت میں وحدت کے قول سے بھی زیادہ متحد اور ہمارے درمیان بھائی چارہ قائم ہے۔

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ہمارے ملک کی عزت و وقار کو ساری دنیا میں پھیلانے والے اہم قائدین کی پیدائش کا مقام ہمارا ملک ہے۔ بغیر ہتھیار کے اہنسا (عدم تشدد) کی راہ پر چل کر ملک کو غلامی کی زنجیروں سے آزادی دلانے والے مہاتما گاندھی جی آج کئی لوگوں کے لیے مثالی نمونہ ہے۔ ویدک دور سے ہی ہندوستانی علوم ہر میدان میں ترقی کا ذریعہ بنے ہیں بولیں تو کوئی غلط بات نہیں ہوگی۔ معاشی میدان، سائنسی، کھیل، علم، طب آج ایسے کئی میدانوں میں محنت کر کے ہمارے ملک کی عوام ساری دنیا میں اپنی ایک خاص پہچان کے ذریعہ ہندوستان کے وقار کو بلند کر رہے ہیں۔ اس عزت و وقار کو برقرار رکھ لینے کی ذمہ داری ہندوستان کے ذمہ دار شہری ہونے کے ناطے ہم سب پر ہے۔

فی الحال ہندوستان کی عزت کو نقصان پہنچانے والے کچھ واقعات، حادثات کا پیش آنا باعث تکلیف



ہے۔ عالمیانہ انسانی زندگی کے ہر شعبہ حیات میں پھیلنے ہوئے موجودہ حالات میں مغربی تہذیب ہمارے تہذیب اور روایتوں پر ہی نہیں بلکہ انسانی زندگی کے طور طریقوں کو متاثر کر رہی ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ روز بروز بڑھتی بے ایمانی، ٹیکس، قیمتیں عام آدمی کی زندگی کو دشوار بنا دے رہی ہے۔ ان بے ایمانیوں کی وجہ سے آزادی کے اتنے سالوں کے بعد بھی ہمارا ملک ترقی پذیر ملک ہی بن کر رہ گیا۔ اس کی وجہ سے غریب، غریب ہی رہ رہا ہے۔ دولت مند اور بھی دولت مند ہوتا جا رہا ہے۔ ان نامساوی حالات سے امن و سلامتی کی راہ میں خلل پیدا ہونے کے حالات پیدا ہو رہے ہیں۔ ان حالات میں ہمارے ملک کی عزت و وقار کا کیا ہو سکتا۔ ذرا سوچئے! ان حالات کو سدھارنے، قابو پانے ہندوستان کی عظمت و وقار کو قائم رکھنے کے لیے ملک کی شہری ہونے کے ناطے ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ سوچنا چاہئے۔

(1) سی وی رامن 1888-1970، کیا آپ جانتے ہیں؟

ہندوستان میں علم طبعیات کے میدان میں پہلا نوبل انعام حاصل کرنے والے عالمی شہرت یافتہ طبعیات کے

سائنسداں، سر سی وی رامن کو سن 1930ء میں نوبل حاصل ہوا۔ ”رامن لیفلٹ“ کا نظریہ انہیں یہ انعام پانے کا موجب بنا۔ رامن لیفلٹ سے مراد نور کی شعائیں ایک سفاف مادے سے سفر کے دوران اس میں ہونے والی تبدیلیوں کی وضاحت کرتا ہے۔ اس کے ذریعہ 2000 کیمیائی تعاملات اور بناوٹ کی دریافت کی گئی۔ آخر میں لیزر شعاعوں کی دریافت کے بعد یہ ”رامن لیفلٹ“ کی اہمیت اور ضرورت اور بھی بڑھ گئی۔



انہوں نے ”انڈین انسٹی ٹیوٹ آف سائنس“ بنگلور میں

ڈائریکٹر کے عہدہ پر تقریباً دس سال اپنی خدمات انجام دی۔ ان دنوں ہی انہوں نے کئی افراد کی ہمت افزائی کی۔

ملک اور بیرون ملک انہیں کئی اعزازات حاصل ہوئے۔ حکومت ہند نے انہیں ”بھارت رتن“ سے نوازا۔



(2) آر۔ نارائن مورتی:

صنعت کار سافٹ ویئر انجینئر ”انفوسیس“ کے بانی ان کی اہلیہ محترمہ سودھا مورتی سن 1981ء میں اور چھ افراد کی شراکت داری سے ”انفوسیس“ کو قائم کیا۔ 2006ء تک نارائن مورتی کی ملک 1.1 بلین ڈالر تھی۔ انہیں سن 2000ء میں حکومت ہند ”پدم شری“ کے ایوارڈ سے نوازا۔



کئی ممالک کے سرکاری صلاح دار کے طور پر اور کئی ملکی اور غیر ملکی اداروں کے صلاح دار، ریزرو بینک آف انڈیا بورڈ کے ممبر اور تجارتی، معاشیاتی بورڈ کے وزیر اعظم کے مشیر کے طور پر مورتی نے اپنی خدمات انجام دی ہیں۔

سن 2005ء میں عالمی شہرت یافتہ اعزاز 8 واں بہترین تاجر سے نوازا گیا۔ تجارت کے ساتھ کئی سماجی خدمات کے پروگرام اپنے ادارہ

کے ذریعہ محترمہ سودھا مورتی کی نگرانی میں عمل کئے جا رہے ہیں۔ مورتی کو ”ایشیاء کابل گیٹس“ کہتے ہیں۔

انہوں نے ہندوستان میں ابتدائی دور سافٹ ویئر کمپنی قائم کر کے اس وقت کے معاشی اور سیاسی حالات

میں استقامت کے ساتھ چلاتے ہوئے کامیابی حاصل کی۔

(3) عظیم پریم جی:-



عظیم پریم جی ایک سیدھے سادھے تجارتی خاندان سے ہیں۔

21 سال کی عمر میں ابھی تعلیم پوری ہوئی تھی کہ ان کے والد کے انتقال

کی وجہ سے اپنے خاندانی تیل کے کاروبار میں قدم رکھا۔

اس طرح روایتی پکوان کے تیل کے کاروبار سے پریم جی نے

”کمپیوٹر سافٹ ویئر“ کے میدان میں قدم رکھ کر دنیا کے سوسب سے

بڑے کمپنیوں میں ایک ”ویپر“ کو تیار کر کے دنیا کے دولت مندوں میں ایک کہلاتے۔
وزیر اعظم کے آئی۔ ٹی جماعت کے نمائندہ پریم جی آج دنیا کے سافٹ میدان میں سب سے بڑا انسانی
وسائل کو مہیا کرنے والا ادارہ ”ویپر“ ہے۔

(4) سوامی ویکانندا 1863-1902:-

ہندوستان کا یہ نوجوان سیاسی سارے عالم کو یہ بتا دیا کہ ہندوستان ابھی اپنی وقعت نہیں کھویا ہے بلکہ عارضی

نیند میں ہے۔ ہندوستانی قومیت کو ایک دھماکہ سے تشبیہ دیا۔

1863ء میں کلکتہ میں پیدا ہوئے ”نریندر ناتھ دتا“ ایک چست
انسان تھا۔ بچپن ہی سے کوئی بھی بات کو آسانی سے مانتا نہ تھا۔ کوئی
بات کو بھی بغیر سمجھے عمل نہیں کرتا۔ اس کے اندر کی یہ علامتیں ہی
آخر میں خدا کے وجود پر سوال کھڑ کر دیئے۔ اس طرح خدا کا دیدار
کرنے والے انسانوں کی تلاش میں اس کا سفر شروع ہوا۔ اس کی
یہ روحانی طلب راما کرشنا پر ماہمسا سے ملاقات کے بعد ختم ہوئی۔



راما کرشنا پر ماہمسا کے مرنے کے بعد ”نریندر“ سنایاس اختیار کر کے ”ویکانندا“ ہو گیا۔ سارے

ہندوستان کا سفر کیا۔

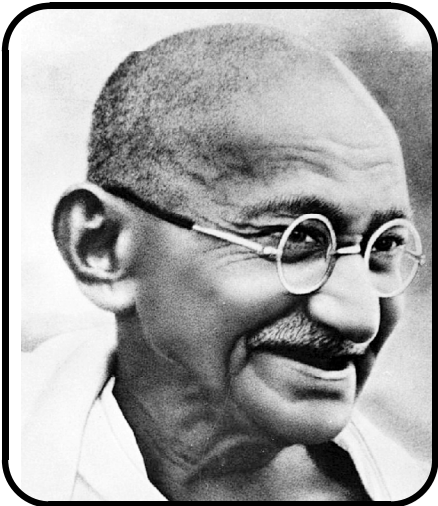
شہر شکاگو میں منعقد مذہبی اجتماع میں حصہ لینے کے لیے امریکہ آیا۔ گمنام ویکانندا اپنی پہلی تقریر میں
امریکہ کے بھائیوں اور بہنوں کے مخاطبت سے سارے عالم کو اپنی طرح موڑ لیا۔ چار سالوں کے بعد ہندوستان کو
واپس آ کر سوامی ہندوستانی قوم کی ترقی کی کوشش میں لگ گیا۔ اس کی ساری امیدیں نوجوان پر ہی تھیں۔ ایک
مرتبہ کچھ پردیسوں نے ان سے پوچھا کہ آپ کو کیا نذرانہ پیش کریں تو انہوں نے کہا ”میرے ملک سے محبت
کرؤ“ 39 سال کے مختصر سے سفر کے بعد 1902 میں اس جہاں سے گذر گئے۔ ان کے تقاریر پر آج بھی کئی
لوگوں کو پر جوش بنا رہی ہے۔



سوامی ویکانندا کا قائم کردہ راماکرشنا مٹھ اور ادارہ آج بھی اپنی بیش بہا خدمات انجام دے رہا ہے۔ روحانی میدان میں بھی ہندوستانی اقدار کی تشہیر کر رہا ہے۔ شخصیت سازی میں گذشتہ سو سال سے مسلسل ہم وطنوں اور غیر ملکوں کو اپنی طرف راغب کرتے ہوئے آگے بڑھ رہا ہے۔ ویکانندا کا اثر اس وقت تحریک آزادی میں شریک عظیم ہستیوں پر بھی تھا۔ گاندھی، بوس، اربندو، نہرو جیسے قد آور رہنما اور جمشید ٹاٹا، راک فلر، فورڈ جیسے لوگ ویکانندا کو مثال بناتے ہوئے آگے بڑھتے گئے۔

(5) مہاتما گاندھی 1869-1948:

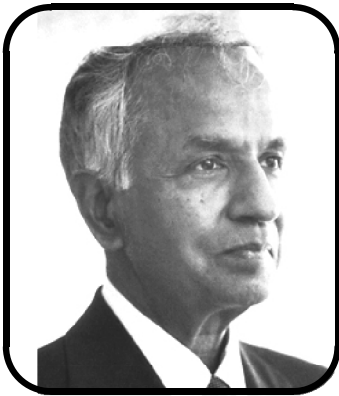
کچھ صدیوں کے گذر جانے کے بعد ایسی ہستی زمین پر موجود تھی بولیں گے تو..... آنے والی نسلیں تعجب ہو جائیں گی۔ ان الفاظ کو مہاتما گاندھی جی شان میں اس صدی کے مشہور عالمی شہرت یافتہ سائنس دان آئنسٹائن نے کہی۔ ہمیں صرف اتنی جانکاری ہے کہ گاندھی جی کو بابائے قوام کہتے ہیں۔ لیکن دنیا آج بھی گاندھی جی کے اصولوں پر عمل پیرا ہے۔ عظیم شہر آفاق رہنما نیلسن منڈیلہ، امریکہ کے امریکی تحریک کے مارٹن لوتھر کنگ گاندھی جی کے راستہ کو اختیار کر کے کامیابی حاصل کی۔



سچائی، ایمانداری، عدم تشدد جیسے عظیم انسانی اوصاف پر عمل پیرا ہو کر

ہندوستان کو غلامی کی زنجیروں سے آزادی دلانے والے اہم نیتا گاندھی جی ہیں۔

(6) سبرامنیم چندرا شیکھر:-

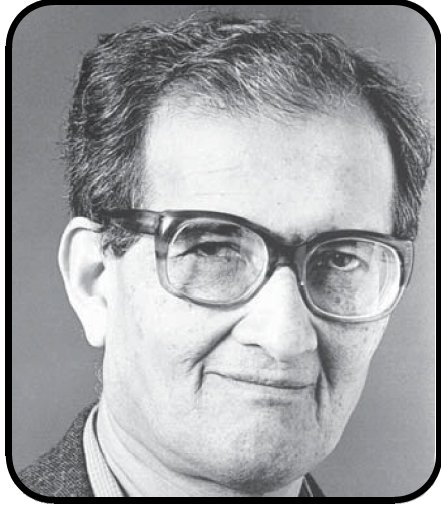


آزادی سے قبل 10 اکتوبر 1910ء کو ہندوستان کے شہر لاہور میں پیدا ہوئے۔ انہیں 1978ء میں طبعیات میں نوبل انعام حاصل ہوا۔ شکاگو یونیورسٹی میں پروفیسر کے عہد پر اپنے فرائض انجام دیئے۔ دی اسٹراکچر اینڈ ایلویشن آف اسٹارس، نامی ان کی تحقیق پر انہیں نوبل انعام حاصل ہوا۔

1999ء میں ”ناسا“ اپنے چوتھے خلائی تحقیقی مرکز میں سے ایک کا نام ”چندرا شیکھر“ کا نام رکھ دیا۔
 1958 میں ایک اسٹرائیڈ کو ان یاد میں چندرا کا نام دیا گیا۔ (اسٹرائیڈ ستارے کے اطراف گھومنے والی گردو
 غبار) چندرا شیکھر پہلی مرتبہ برطانیہ جاتے وقت پانی کے جہاز میں حرکت سفر کرتے ہوئے صورت گری پانے
 والے ستاروں کی عمر پیمائش، تعین کرنے کے طریقے کو ”چندرا شیکھر لمٹ“ (Chandrashekhar
 Limit) نام دیا گیا ہے۔ یہ چھوٹی رقم عمری میں کی گئی سب سے بڑی تحقیق کی ایک مثال ہے۔ یہ مشہور
 سائنسداں سی وی رامن کے قریبی بھی رشتہ دار ہیں۔ کئی بین الاقوامی سطح کے انعامات بھی حاصل ہوئے اور
 سنہ 1995ء میں امریکہ میں وفات پائے۔

(7) امرتیہ سین:-

امرتیہ سین 1933ء میں ریاست بنگال کے شانتی نکتین میں پیدا ہوئے۔ یہ عظیم معاشیات داں ہیں۔
 انہوں نے کیمبرج یونیورسٹی کے ٹیریٹری کالج میں بحیثیت پروفیسر
 اپنی خدمات انجام دی۔ انہیں سال 1998 کا معاشیات کا نوبل
 انعام سے نوازا گیا۔ انہوں نے معاشیات کا ”Wealth
 Maximisation“ سے Welfare
 Economics کی جانب رخ موڑتے ہوئے انسان کو
 معاشی آزادی ہونی چاہئے کہتے ہوئے معاشی اشارے
 ”Economic Indicators“ کو تیار کیا۔ اسی کو
 Human Development Index بھی کہتے ہیں۔



بھارت کی شاستر رقص

(1) بھارت ناٹیم: یہ رقص جنوبی ہندوستان میں بہت ہی مقبول ہے۔ بھرتا مونی رقص کے اصولوں کی بنیاد پر یہ تشکیل پایا ہے۔ اس میں الارمپو، ورڈم، پدم، تیلنا جیسے نکات پائے جاتے ہیں۔ اس رقص کو اکثر مندروں میں مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ بھرت ناٹیم کے مشہور رقص رکنی ارن ڈیل، بالاسرسوتی، یامنی کرشنا مورتی، مرژالنی سارابائی، پدما سبرامیم، وئے جنتی مالا وغیرہ ہیں۔

(2) کوچو پوڑی:-

یہ آندھرائی تہذیب کی غماز ہے۔ اس کو سدیندرا یوگی نے تخلیق عمل میں لایا ہے۔ اس رقص میں اداکاری کے ذریعہ اظہار خیال کو اہمیت دی جاتی ہے۔ یہ موسیقی پر مبنی رقص کافن ہے۔ اس رقص کا آغاز آندھرا پردیش کے دیہات کوچو پوڑی سے ہوا۔ زیادہ تر اس رقص کا مظاہرہ مرد حضرات کرتے ہیں۔ فی الحال خواتین بھی اس رقص کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ اس رقص کے اہم شخصیات ویدانتھم، ستیانارنہ، ویم پٹی چناستیم، رادھاراجاریڈی، شوبھانا نائیڈو، یامنی کرشنا مورتی قابل ذکر ہیں۔

(3) کتھاکلی:

یہ ریاست کیرالا کی تہذیب سے تعلق رکھنے والا رقص ہے۔ اس میں آنکھوں کے حرکات، گھماؤ اور چہرے کے اثرات کے ذریعہ رقص کیا جاتا ہے۔ اس میدان کے مشہور رقص، گروگوپی چند، چمپاکولم پرمائی پڑئی، وڈلوتل نارین مینن وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

قول

ملک سے محبت ہی قومیت کے لیے پہلی سیڑھی ہے۔

17۔ دیگر مذاہب کا احترام

- I۔ اہم قدر : سیکولرزم۔ مذہبی رواداری
- II۔ ذیلی قدر : مذاہب کا احترام کے جذبہ کے حامل ہونا
- III۔ مطلوبہ نتائج / مقاصد:

☆ دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے ان کے مذاہب کا احترام کرنا

IV۔ تمہید:

ایسا ملک جس میں حکومت کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ اس کو سیکولر ملک کہتے ہیں۔ ہمارے ملک میں کئی مذاہب کے ماننے والے لوگ رہنے کے باوجود شادی بیاہ کی رسم اور دیگر تقاریب میں دیگر مذاہب کے لوگوں کا احترام کرنے کی ہماری ملک میں تاریخ ہے۔ وہ دیگر مذاہب کا ماننے والا ہے ہم اس کو کیوں مدد کریں جیسے خیالات نہیں ہونا چاہئے۔ اس طرح مل جل کر رہنے سے ہی سماج میں تہوار اور تقاریب اچھی طرح سے انجام پاتے ہیں۔ خصوصاً پر امن زندگی بسر ہوتی ہے۔

V۔ موضوع:

ہم تمام انسان ہیں۔ انسانیت ہی ہمارا مذہب ہے۔ ہر مذہب کی چند اچھی خصوصیات ہوتی ہیں اور بعض ناپسندیدہ نکات بھی ہوتے ہیں۔ انسانیت کے جیسی اچھی خصوصیت کے بغیر موجودہ کوئی بھی مذہب میں ترمیم ضروری ہے۔ نیکی اچھائی اور برائی ربدی صرف دو ہی مذہب ہوتے ہیں۔ جیسے قول کا کوئی نعم البدل نہیں ہے۔ چاہے اچھائی کسی بھی مذہب میں ہو اسے اپنانا چاہئے۔ اچھائی کی تعلیم نہ دینے والا مذہب بے سود ہے۔

صبر، تحمل، برداشت، امن، رحم، ہمدردی ہوں تو مذہبی فساد واقع نہیں ہوں گے۔ جنت یہیں پر ہے۔ باہمی طور پر ایک دوسرے سے پیار و محبت کے لیے کوشش کریں۔ ہندو، مسلم بھائی بھائی ہیں۔ ایک دوسرے کو برداشت کرنا ہی بہت اچھی بات ہے۔ یہ صفت جنت کا دروازہ کھولتی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ کوئی ایک بات دوسروں کو تکلیف دیتی ہے تو ایسی بات ناکہنا ہی بہتر ہے۔ سب لوگ عزت کے ساتھ زندگی گزاریں ہمارے مذاہب کی ہم جس طرح احترام کرتے ہیں دوسروں کے مذہب کا بھی احترام کرنا چاہئے۔ افراد کے کئے جانے والوں کاموں کے لیے مذہب کو دوش نہیں دینا چاہئے۔

تمام مذاہب میں مستقل انسانی اقدار شامل ہیں۔ جیسے سچائی، مذہب پرستی، عبادت گزاروں کے علاوہ ساتھی انسانوں کے ساتھ رحم، ہمدردی اور دیگر مذاہب کے ساتھ احترام کرنے کے اصول شامل ہیں۔

ہمارے ملک میں انسان کی بھی مذہب سے تعلق رکھنے والے ہوں سب سے پہلے وہ انسان ہیں کا شعور برداشت خیالات میں اختلافات کی قدر کرنا بہت ضروری ہے۔ اس کے لیے ہماری ذہنی رجحان میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہے۔ مثلاً

- (1) مذاہب میں موجود مستقل انسانی اقداروں کی نشاندہی کرنا۔
- (2) انہیں اہم نکات کے طور پر تعین کرنا۔
- (3) تمام انسان صرف ایک ہی ہیں جیسے تصور کو فروغ دینا۔
- (4) تمام انسان مساوی ہیں جیسے اصول کو قبول کرنا۔
- (5) خدا کی عبادت کے مختلف طریقہ ہو سکتے ہیں۔ شناخت کرنا۔
- (6) ان تمام سے زیادہ باہمی طور پر ایک دوسرے سے دوستی کو فروغ دینا۔
- (7) اپنے قوت برداشت فروغ دینا

یہ تمام مذاہب کے ماننے والوں کا یہ فرض ہے۔ تب ہی بین مذہبی میل جول ممکن ہو سکتا ہے۔

تازہ دودھ میں ایک نمک کا کنکر ڈالنے پر پورا دودھ پھٹ جاتا ہے، اسی طرح اچھے مذہب میں شدت پسندی مذہب کو ظالم بنا دیتی ہے۔



اس زمانے میں مذہبی شدت پسندی، مذہب کا غلط استعمال، بین مذہبی فسادات سماج کو متزہتر کر دے رہی ہیں۔ دیگر مذاہب کے طور طریقہ اور رسم و رواج کا احترام کریں گے۔ دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے حقوق اور ان کا احترام کریں گے۔ دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے حقوق اور ان کے اعتقاد میں رکاوٹ لائے بغیر اپنے مذہب کے احترام کو بڑھا دیں گے۔

VI: (الف) غور کرنا - رد عمل کا کرنا

- ◀ مندرجہ بالا موضوع سے آپ نے کیا اخذ کیا؟
 - ◀ دیگر مذاہب کا احترام کیوں کرنا چاہئے؟ احترام نہ کریں تو کیا ہوگا؟
 - ◀ کیا کبھی آپ نے کسی دوسرے مذہب کے ماننے والے کی مدد کی ہے؟
 - ◀ کیا ان کے تقاریب میں شرکت کی ہے؟ اس سے متعلق بتلائیے۔
 - ◀ ہمارے مذہب کا احترام کرنا چاہئے اور دیگر مذاہب کا بھی احترام کرنا چاہئے۔
- کیوں بحث کیجئے؟

(ب) عمل کرنا - تجربات بیان کرنا

- ◀ دیگر مذاہب کے لوگوں کے تقاریب میں شرکت کیجئے۔
- ◀ آپ نے کیسا محسوس کیا ہے۔ بتلائیے؟
- ◀ آپ اپنے تقاریب یا عیدین میں دیگر مذاہب کے ماننے والے لوگوں کو شریک کیجئے۔
- ◀ تب آپ نے کیسا محسوس کیا ہے بتلائیے۔

﴿جان لیجئے﴾

ہمارے ملک میں دیگر مذاہب کے لوگ تہوار اور تقاریب میں شامل ہونے کے کئی واقعات ہمیں ملتے



ہیں۔ دیہی علاقوں میں شادی بیاہوں اور دیگر تقاریب میں دیگر مذاہب والوں کا تعاون ضروری ہوتا ہے۔ محرم کو ہندو اور مسلمان مل جل کر رجوش خروش سے مناتے ہیں۔

ضلع کڑپہ میں درگاہ امین پیر، شہر حیدرآباد کے نواحی علاقوں میں موجود جہانگیر پیراں کی درگاہ وغیرہ میں زیارت کرنے والوں کی کثیر تعداد ہندوؤں کی ہوتی ہے۔ اس طرح قاضی پیٹ کی درگاہ میں بھی زائرین کی کثیر تعداد ہندوؤں کی ہوتی ہے۔

قابل تقلید مثالی

شہنائی نواز استاد بسم اللہ خان کا، پلے بیاک سنگر محمد رفیع، موسیقار نوشاد نے کئی ہندو بھکتی گیتوں کو ملک عوام کے لیے پیش کئے ہیں۔

سابق صدر جمہوریہ عبدالکلام تمام مذاہب کے ماننے والوں کا احترام کیا۔

مغل شہنشاہ اکبر میرابائی کے بھجن سننے کے لیے جایا کرتے تھے۔

فلم ”جو دھا اکبر، بابے، کھڈگم وغیرہ ہندو مسلم اتحاد پر ہوتے ہیں۔

ضلع عادل آباد کے بھینسہ میں بین مذہبی فساد پھوٹ پڑنے پر فساد سے متاثر کئی مسلم جوانوں نے ایک

ہندو خاتون کو امان دی۔

قول

مذہب پرستی سے بہتر قوم پرستی ہے: گاندھی جی



18۔ بدعنوانیوں کا خاتمہ

I۔ اہم قدر : جمہوری اقدار کے تئیں احترام

II۔ ذیلی قدر : بدعنوانیوں سے پاک سماج کی تعمیر

III۔ متوقع نتائج / مقاصد:

☆ بدعنوانیوں سے پاک سماج کی تعمیر میں اپنی ذمہ داری کو پہچانیں گے۔ اپنی ذمہ داریوں کو جان کر صحیح برتاؤ سے پیش آئیں گے۔

IV۔ تمہید:

سماج کی ترقی صحیح سمت میں گامزن ہونے کے لیے سچائی اور صحیح راستے پر چلنے والے شہری ہونا چاہئے۔ بہترین حکمرانی کرنے والی مشنری چاہئے۔ تعصب سے عاری نظام ہونا چاہئے۔ اپنے کام پر اپنے آپ کو وقف کرنا، ایمان داری کے ساتھ برتاؤ کرنا، اصول و ضوابط پر عمل، نظم و ضبط، ان خصوصیات کے حامل افراد کام کرتے ہوں تو کام صحیح ہوگا اور عوام کو فائدہ ہوگا لیکن اس کے برخلاف بدعنوانی، رشوت خوری کی کثرت ملک کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ بد امنی، عدم مساوات میں اضافہ کی وجہ سے انسانی زندگی منتشر ہوگئی ہے۔ مختلف اخبارات میں چھپی ذیل کی خبریں ملاحظہ کیجئے۔

۷۔ خبریں

خبرنامہ - I

2011-29 دھوکہ دہی (اسکام)۔ 76 لاکھ روپے کا نقصان 2001ء میں صرف 40 لاکھ افراد موبائل فون کا استعمال کرتے تھے۔ 2008ء تک ان کی تعداد 3.5 کروڑ تک پہنچ گئی۔ لیکن اسپکٹرم لائسنس کے لیے داخلہ فیس کے 2001 کے مطابق ہی طے کی گئی جس کے نتیجے میں سرکاری خزانہ پر 76 لاکھ کروڑ کا نقصان ہوا۔ اس کے مجرم ٹیلی کام منسٹر اور اعلیٰ عہدیدار ہیں۔ ان کے بینک کھاتوں میں کروڑوں پہنچ گئے۔

خبرنامہ - II

ملک کی عظمت سے جڑے کامن ویلتھ گیمس کے انتظام سے متعلق آلات کی خریدی، ناقص تعمیری کام کروائے گئے۔ ایک ہی بارش میں چھت اور دوسری عمارتیں ڈھے گئے۔ گتہ داروں سے انتظامی کمیٹی کے چیرمین کو 95 کروڑ روپے رشوت ملی۔ اس بدعنوانی کے سامنا کرنے والے شخص کو گرفتار کیا گیا۔ دس سال جیل کی سزا دی گئی۔ اس دھوکہ دہی کے معاملہ میں 70 ہزار لاکھ کروڑ کا خرد برد ہوا۔

خبرنامہ - III

مرکزی حکومت نے اڈیشہ، چھتیس گڑھ ریاستوں کے لیے 73 پراجیکٹس کی منظوری دی یہ عمل 20 دن کے وقفہ میں وزیر ماحولیات کا کارنامہ تھا۔ اس دھوکہ دہی اور بدعنوانی کی قیمت 1.8 لاکھ کروڑ ہے۔

خبرنامہ - IV

عوام پسینہ بہا کر اپنا پیٹ کاٹ کر ٹیکس ادا نیگی کے ذریعہ سرکاری خزانہ بھرتے ہیں۔ عوام کے اپنے ووٹ سے حکومت کرنے کی ذمہ داری کچھ لوگوں کو دیتی ہے۔ لیکن بدعنوانی اور دھوکہ دہی میں ملوث ہو کر کھلے عام اس کا مظاہرہ کر رہے ہیں کیا بہ حیثیت شہری ہم دیکھتے ہی رہیں گے۔ یا ووٹر کی حیثیت سے ہم اپنی طاقت بتا سکتے ہیں.....؟

خبرنامہ VI-

ایک ضلع میں پیکج کام کے لیے مہاراشٹرا سے تعلق رکھنے والے ایک Contraction Company نے اس کام کو حاصل کیا یہ کام کوہ 18% رشوت دے کر وزیر اعلیٰ کے ایک رشتہ دار نے حاصل کیا۔ اس ادارہ نے گتہ حاصل کر کے کہیں بھی کوئی کام انجام دیئے۔ بغیر رشوت دیتے ہوئے بلز کو حاصل کر لیا۔ اس میں سرکاری عہدیداروں اور سیاسی افراد کو ان کا اپنا حصہ پہنچا دیا گیا۔ اس دھوکہ دہی میں ہزاروں کروڑ روپے کا غبن ہوا۔ انسداد رشوت ستانی کے ادارہ والوں نے کیس بک کیا۔

VI: (الف) غور کرنا - رد عمل کا کرنا

- 1- لاکھوں روپے رکھنے والا بے ایمانی ودھوکہ دہی کے ذریعہ کروڑوں روپے کما کر بڑھ رہا ہے؟ اس طرح کے عمل سے کس کا نقصان ہو رہا ہے؟ کیسے نقصان ہو رہا ہے؟
- 2- الیکشن کے وقت مختلف پارٹیوں نے ووٹوں کی خریدی کے لیے وہ تمام بے ایمانی ودھوکہ دہی سے کمائی ہوئی دولت ہی ہے۔ اس پر آپ اپنے خیالات کا اظہار کیجئے۔
- 3- رشوت لینا جیسا جرم ہے ویسے رشوت دینا بھی جرم ہے۔ آپ اس کی کس طرح تائید کریں گے؟
- 4- سرکاری کام گاؤں کی سطح سے لیکر عالمی سطح تک بے ایمانی سے چل رہے ہیں۔ اس کے نتائج ملک کی عوام پر کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں۔ بیان کیجئے؟
- 5- بدعنوانی سے حاصل کی گئی دولت عوام کے ذریعہ ٹیکس کی شکل میں حاصل کی گئی عوامی ملکیت جو کہ عوام کے بہبود کے لیے مختص کی گئی ہے..... بدعنوانی کے خاتمہ کے لیے ایک بہترین شہری کی حیثیت سے ہمیں کیا کرنا چاہئے؟

(ب) عمل کرنا- تجربات بیان کرنا

ہمارے اطراف سماج میں ادنیٰ سطح سے لے کر اعلیٰ سطح پر بے ایمانی اور رشوت ستانی کا دور، دورہ ہے۔

ایک فائل کو آگے بڑھانے کے لیے رشوت دینا لازمی ہو گیا ہے۔ جب تک رشوت نہیں دی جائے گی کام آگے نہیں بڑھے گا۔ اس طرح کے واقعات آپ کی نظر سے کیا گزرے ہیں۔ یا کسی اخبار میں اس طرح کی سرخیاں نظر سے گذری ہوں تو انہیں اکٹھا کیجئے۔ مباحثہ کیجئے۔ آپ اس کا مقابلہ کس طرح کرو گے۔

﴿جانیے﴾

بدعنوانیوں کا خاتمہ:-

قانون کے مطابق کام کرنا ایمان داری ہے۔ قانون کے برخلاف کام کرنا بدعنوانی و بے ایمانی ہے۔ عوام الناس حوش حالی و بہبود کے لیے استعمال کئے جانے والے اختیارات کو ذاتی فائدہ کے لیے استعمال کرنا ہی بے ایمانی اور بدعنوانی ہے۔ بدعنوانیوں کی وجہ سے حکومت مفلوج ہو جاتی ہے۔ عوام متاثر ہو رہی ہے۔ بدعنوانی ایک متعدی بیماری ہے۔ اس طرح کے بدعنوانیوں کی مخالفت کرتے ہوئے عوام کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرنا ہی بدعنوانیوں کا خاتمہ ہے۔

عالمی طور پر کئے گئے ایک سروے کے مطابق بہت ہی کم بدعنوان ممالک آئرلینڈ، فن لینڈ، مقام رکھتے ہیں۔ ہندوستان بدعنوانیوں میں 88 ویں مقام پر ہے۔ بدعنوانی روز بہ روز بڑھتی جا رہی ہے۔ اس میں کمی کا امکان نہیں ہے۔ ریاستوں میں کم بدعنوانیوں کے لحاظ سے کیرالا اولین ہے جب کہ سب میں بدعنوانیوں میں سرفہرست ریاست بہار ہے۔ بدعنوان ریاستوں میں آندھرا پردیش کا مقام چوتھا ہے۔

بدعنوانیوں کے خاتمہ کے مقصد سے ”عالمی یوم مخالف بدعنوانی“ ہر سال 9 دسمبر کو منایا جاتا ہے۔ اقوام متحدہ کی جانب سے 31 اکتوبر 2003 کو منعقد کئے گئے (بدعنوانی مخالف اجلاس) میں طے کیا گیا ہے۔

بدعنوانیوں کی وجوہات:-

1- جہالت

2- معلومات کی کمی



3- انتخابات کا غیر منصفانہ انعقاد

4- سخت سزاؤں کا نہ ہونا

5- قانون سازوں میں بدعنوان لوگوں کا داخلہ

بدعنوانیوں کے لیے کئے جانے والے اقدامات:-

- 1- تعلیم:- ملک میں خواندگی کے فیصد میں اضافہ کیا جائے۔ عوام میں تعلیم سے شعور پیدا ہوگا۔ مثلاً ریاست کیرالا
- 2- قانون حق معلومات پر عمل درآمد:- سرکاری وزراء، عہدہ دار معلومات کو عوام تک پہنچانا ضروری ہے۔ بدعنوانی کے خاتمہ کے لیے ایسا کرنا ضروری ہے۔ یعنی قانون حق معلومات پر عمل درآمد ضروری ہے۔
- 3- انتخابات کا منصفانہ انعقاد:- انتخابات کے وقت بے انتہا دولت کو خرچ کر کے درمیان کے افراد کے ذریعہ ووٹوں کو خریداجاتا ہے۔ اس سے متعلق عوام میں ووٹ کی اہمیت کا شعور بیدار کر کے ان میں تبدیلی لائی جاسکتی ہے۔
- 4- سخت سزاؤں پر عمل:- بدعنوانیوں میں ملوث افراد کے لیے سخت سزاؤں پر عمل کرنا چاہئے۔ اسی وقت بدعنوانیوں کا خاتمہ ہو سکتا ہے اور ان سزاؤں کے بارے میں عوام کو بھی آگاہ کیا جائے تو عوام میں بھی ڈر پیدا ہوگا۔ اس طرح کے سزاؤں کو عمل میں لایا جائے۔
- 5- اصول پسند و ارا ایمان دار رہنماؤں کا انتخاب کرنا:- قانون ساز اداروں کے لیے منتخب کئے جانے والے اراکین ایمان دار اور اصول پسند ہونے چاہئے۔ تبھی ہم بدعنوانی کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔ قانون بنانے والے ہمارے رہنما ہی اگر رشوت ستانی اور بدعنوانی میں ملوث ہوں تو عوام کا خیر خواہ کون ہوگا۔ ہماری ریاست میں ہی حکومت کرنے والے کئی رہنما کئی بدعنوانیوں کے معاملات میں الزامات کا سامنا کر رہے ہیں۔ ہماری یہ بہت ہی بد قسمتی کی بات ہے۔

بدعنوانیوں کے اثرات :-

رشوت ستانی، بے ایمانی، بدعنوانی کی وجہ سے غریب عوام کی زندگی میں مزید ابتری آتی ہے۔ غربت اور دیگر میدانوں میں عدم مساوات میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ آخر کار یہ بنیادی سہولیات میں ناکامی اور حکومت کی ناکامی کا سبب بنتی ہے۔ بدعنوانیوں کے خلاف حکومت، خانگی ادارے، میڈیا اور عوام کو مل کر تحریک چلانا چاہئے۔ بدعنوانیاں انسانی حکومت کی پامالی، مارکٹ کی غیر یقینی صورتحال، طرز زندگی کے معیار میں گراؤ جیسے نکات واقع ہوتے ہیں۔ منظم جرائم میں اضافہ ہوتا ہے۔

بدعنوانیوں کے خاتمہ، ممکنہ طریقے :-

کورٹ میں مفاد عامہ کی رٹ داخل کرنا، انسانی حقوق کمیشن میں شکایت درج کروانا، ٹی وی، پرنٹ میڈیا، انٹرنیٹ کا سہارا لینا اور قانون حق معلومات کے تحت معلومات حاصل کرنا جیسے طریقوں کے ذریعہ بدعنوانیوں کے خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔ رشوت ستانی ادارہ (Anti Corruption Bureau) کو وسعت دینا۔ سیاسی اداروں کو فنڈس مختص کرنے کے دوران یا انتظامی امور میں شفافیت کو بڑھانے کے اقدامات کرنا، قابلیت اور صلاحیت کی بنیاد پر تقرر کرنا و ترقی دینا اقدامات کرنا چاہئے۔ اس میدان میں ماہرین کے یہ خیالات ہیں۔ مشتبہ لین دین کی نشاندہی کرنا، ان معاملات میں دیگر ممالک سے باہمی تعاون حاصل کرنا، ہر میدان میں جدید ٹکنیک کا استعمال کرنا سے بدعنوانی کو کم کیا جاسکتا ہے۔

انتخابی سیاسی نظام میں رشوت ستانی کو دور کرنے کے لیے اصلاحات لانا چاہئے۔ تمام سرکاری دفاتر میں مختلف خدمات کی تفصیلات اور انہیں حاصل کے طور پر پریقے اور خدمت کے لیے درکار ایام کی تفصیلات و Citizen Chart کے ذریعہ آویزاں کرنا چاہئے۔ اس پر سختی سے عمل آوری کے لیے لائحہ عمل تیار کرنا چاہئے۔ شفافیت کے لیے قانون حق معلومات مکمل معلومات کرنے کا ذریعہ ہے۔ اس کو بدعنوانی کے خاتمہ کے ہتھیار کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں۔

اختیارات کی مرکزیت ہی بدعنوانی کی وجہ ہے۔ اس کے برخلاف اختیارات کو غیر مرکوز کیا جائے۔



مقامی حکومتوں کو جواب دہ ہونا چاہئے۔ ہمارے ملک میں بدعنوانیوں کے خاتمہ کے لیے ہر فرد کو کمر کس نے کی بہت ضرورت ہے۔

بدعنوانیوں کے تحریک میں ہر فرد کو شریک ہونا چاہئے اور ہر ایک فرد ایک ذمہ دار شہری کی طرح برتاؤ کرنا چاہئے۔ عوام میں شعور بیدار کرنا چاہئے۔

آئیے! بہ حیثیت طالب علم بدعنوانیوں کے خاتمہ کے لیے ہم سب مل کر کوشش کریں۔

”ذمہ داری کا احساس کریں گے اور رشوت ستانی کو دور کریں گے“

بدعنوانی کے خاتمہ کے لیے بنائے گئے قوانین

قانون حق معلومات :-

راشن کی دوکان کو منظور چاول، پل کی تعمیر کے لیے مختص کیا گیا فنڈ، مختلف مسائل سے متعلق معلومات کو قانون حق معلومات سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

مفاد عامہ کی درخواستیں :-

عام لوگوں سے متعلق مسائل پر مفاد عامہ کی درخواست کے ذریعہ عدالت العالیہ کی نظر میں لایا جاسکتا ہے۔

انسانی حقوق کمیشن :-

دھوکہ دہی، امتیاز، تشدد، کسی بھی قسم کے حقوق کی پامالی پر انسانی حقوق کمیشن میں شکایت کی درخواست دی جاسکتی ہے۔

سوشل میڈیا (Social Media) :-

آئی پیڈ، آئی برائڈ ڈاٹ کام جیسے ویب سائٹ عوام کے خیالات میں تبدیلی لارہی ہے۔ بدعنوانیوں کے مخالف تحریکوں کی ہمت افزائی کر رہی ہے۔ آن لائن مختلف عوامی مسائل پر آواز اٹھا سکتے ہیں۔



Change.org جیسی ویب سائٹ کے ذریعہ مختلف مسائل پر e-pitition داخل کر سکتے ہیں۔ بدعنوانی کے خاتمہ کے لیے پرنٹ میڈیا کا استعمال کیا جاسکتا ہے۔
بدعنوانیوں کے خاتمہ کے لیے تحریک:-

ریاستی سطح پر Anti-Corruption Bearu لوک ایوکت اور مرکزی سطح پر CBI جیسے اداروں افراد اور نظام میں پائے جانے والی بدعنوانی کی شکایت کی جاسکتی ہے۔
بالراست مدد:-

اگر ہم ماہر Information Technology ہو تو سوشل نٹ ورک کی تشکیل میں مدد کر سکتے ہیں۔ اگر عام کارکن ہو تو خود وقت دے سکتے ہیں۔ اپنی آمدنی کا کچھ فیصد شفافیت سے کام کرنے والے اداروں کو بطور عطیہ پیش کریں۔

قول

بدعنوانی کا خاتمہ کریں گے۔ ملک کو ترقی کی راہ پر رکھیں گے۔

ضمیمہ

- 1- احادیث
- 2- رباعیات
- 3- نظمیں۔ غزلیں
- 4- کہانیاں
- 5- شخصیتیں



احادیث مبارکہ

حدیث نمبر: ۱

ترجمہ: سب سے اچھا آدمی وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔ (طبرانی)
خلاصہ: محبت و اخوت، ہمدردی اور نغمساری ہر چند انسانی اوصاف ہیں مگر خوش اخلاقی انسان کا سب سے بڑا جوہر ہے جو شخص جس قدر خوش اخلاق ہوگا اسی قدر اچھا سمجھا جائے گا۔ الغرض نیک کردار ہی اور خوش اخلاقی میں سبقت لے جانے والا خصوصی امتیاز کا مالک ہوگا۔

حدیث نمبر: ۲

ترجمہ: اچھے اخلاق خوش نصیبی اور برکت کا باعث ہیں۔ (ابوداؤد)
خلاصہ: انسان کے اخلاق و کردار اس کی زندگی کے ہر پہلو پر اثر انداز ہوتے ہیں اس کے کردار کی پاکیزگی بلاشبہ ان کی سعادت مندی اور خوش نصیبی کی نشاندہی کرتی ہے یہ سعادت بجائے خود ایک برکت ہے۔

حدیث نمبر: ۳

ترجمہ: ہر آدمی کی عزت اس کے مرتبہ کے لحاظ سے کرو۔ (مسلم)
خلاصہ: حفظ مراتب کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہیے چونکہ یہ ایک بڑی سعادت مندی ہے جیسا کہ مشہور ہے با ادب بانصیب، بے ادب بے نصیب مراتب کا تعین بڑی اہم چیز ہے۔ اسی اعتبار سے ماں باپ، استاد، پیر و مرشد اور رہبران قوم و ملت کے مراتب ایک دوسرے سے مختلف رہیں گے جس کا کماحقہ لحاظ رکھنا از بس ضروری ہے۔



حدیث نمبر: ۴

ترجمہ: مصافحہ کیا کرو، کیونکہ یہ مصافحہ تمہارے دلوں سے بغض و کینہ دور کرتا ہے۔ (ویلمی)
خلاصہ: مصافحہ کرنے کا ہر قوم و ملک میں رواج چلا آ رہا ہے بلکہ مصافحہ کرنا شائستہ و مہذب قوموں کا شیوہ رہا ہے۔ مذہب اسلام میں بھی مصافحہ کی اہمیت مسلمہ ہے کہ مصافحہ کرنے اور بغل گیر ہونے سے دلوں کی کدورتیں دھلتی ہیں، دل صاف ہو جاتا ہے اور مصافحہ سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔

حدیث نمبر: ۵

ترجمہ: برکت تمہارے (گھر کے) بڑے بزرگوں کے دم قدم سے ہے۔ (ویلمی)
خلاصہ: اپنے بزرگوں کے وجود کو غنیمت جانو۔ ان کا سایہ عاطفت ایک نعمت سے کم نہیں ہے۔ ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی مت کرو۔ چونکہ یہ تمہارے مربی ہیں کیا عجیب ہے کہ یہ تمہاری ساری نشوونما اور ترقی انہیں کے دم قدم سے ہو۔ یہ امر واقعہ ہے کہ بعض اوقات بزرگوں کے بعد کئی بھرے خاندان دیکھتے ہی دیکھتے اجڑ گئے۔

حدیث نمبر: ۶

ترجمہ: باپ کی بہ نسبت ماں کا دو گنا حق ادا کرو۔ (ابن منیع)
خلاصہ: ماں باپ کی خدمت گزاری، فرماں برداری اور ان کے حقوق کی ادائیگی ایک اہم ترین فریضہ ہے۔ ماں باپ کے ساتھ جس قدر بھی حسن سلوک کریں یہ تمہارا اپنا فرض ہے نہ کہ کوئی احسان۔ باپ کے مقابلے میں ماں دو گنی خدمت کی مستحق ہے۔ اس لیے کہ اس کے تم پر بہت احسان ہیں۔ تمہاری پیدائش، رضاعت (دودھ پلانا) اور نشوونما، تعلیم و تربیت میں اس کا اہم ترین حصہ رہا ہے۔



حدیث نمبر: ۷

ترجمہ: مسلمان تو وہی ہے جس ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ (ابوداؤد)
خلاصہ: ایک مسلمان کا شعار یہ ہے کہ وہ اپنے اختیار حاصلہ سے کسی مسلمان کو نقصان نہ پہنچائے بلکہ حتی الامکان اصولی اور جائز فائدہ پہنچانے کی کوشش کرے۔ مسلمان کی دلی آزاری اور نقصان رسانی شعار اسلامی کے یکسر خلاف ہے۔

حدیث نمبر: ۸

ترجمہ: اگر کوئی شخص کسی مسلمان کے عیب کو چھپائے گا وہ قیامت کے دن اس کے عیب کو چھپائیں گے۔ (بخاری، مسلم)

خلاصہ: ایک مسلمان پر اپنے دوسرے مسلمان بھائی کی عیب پوشی کرنا ضروری ہے جس طرح ہم اپنے عیبوں کا دوسروں پر ظاہر ہونا پسند نہیں کرتے اسی طرح وہ بھی یہی پسند کرے گا کہ اس کے عیب دوسروں پر ظاہر نہ ہوں۔ تم دوسروں کے عیب کو چھپاؤ اللہ تعالیٰ تمہارے عیبوں کو چھپائے گا۔

حدیث نمبر: ۹

ترجمہ: تنہائی انسان کو آفتوں سے بچائے رکھتی ہے۔ (ویلیسی)

خلاصہ: برے لوگوں کی صحبت اور ہم نشینی سے تنہائی بہت ہی بہتر ہے۔ بلا ضرورت دوسروں سے ربط و ضبط بڑھانا عام طور سے پریشانی اور الجھن پیدا کرتا ہے۔ دوسروں کے معاملات میں غیر ضروری دلچسپی لینا اور دوسروں کو اپنے خانگی معاملات میں مداخلت کا موقع دینا اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالنا ہے، لہذا تنہائی بہتر ہے۔



حدیث نمبر: ۱۰

ترجمہ: جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجتے ہیں۔ (نسائی)
خلاصہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود و سلام بھیجتے ہیں اور مسلمانوں کو بھی اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ اپنے حبیب پر درود و سلام بھیجنے والے اس درجے خوش ہوتے ہیں کہ اس کے عوض دس رحمتوں سے سرفراز فرماتے ہیں۔

حدیث نمبر: ۱۱

ترجمہ: قرض لے کر اپنے آپ کو پریشانی میں مت ڈالو (بیہقی)
خلاصہ: بلا ضرورت شدید قرض لینے کی عادت ایک ناپسندیدہ حرکت ہے۔ قرض ہمیشہ پریشانی، پشیمانی اور شرمندگی کا سبب بنتا ہے اور مقروض شخص ہمیشہ پریشانیوں میں مبتلا رہتا ہے۔ اگر صورت ناگزیر ہے قرض کے بغیر کام نہیں چل سکتا تو قرض لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ورنہ خواہ مخواہ قرض لے کر اپنے آپ کو پریشانیوں میں ڈالنا کوئی مناسب بات نہیں ہے۔

حدیث نمبر: ۱۲

ترجمہ: عورت سر تا پا پردہ ہے جب وہ بے پردہ ہو جاتی ہے تو شیطان اس کو تانے لگتا ہے۔ (ترمذی)

خلاصہ: عورت چھپنے والی چیز کو کہتے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ عورت کو پردہ دار ہونا چاہیے اور جب بے پردہ ہوگی تو ظاہر ہے کئی شیطانی نگاہوں کا مرکز بنے گی جس سے کئی اخلاقی خرابیوں کا خدشہ ہے اور اس سے سنگین نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔



حدیث نمبر: ۱۳

ترجمہ: جب تم سے کوئی غسل کرے تو اس کو چاہیے کہ پردہ کر لے۔ (ابوداؤد)
خلاصہ: نہاتے وقت خواہ مرد ہو کہ عورت ستر پوشی کر لینا چاہیے کہ کھلے مقاموں پر نہانا طہی اور اخلاقی ہردو حیثیت سے برا ہے۔ نہانے سے پہلے پردہ کا انتظام کرنا ضروری ہے۔ ورنہ کھلے مقام پر نہانا بے شرمی اور بے حیائی کے ساتھ ساتھ بڑی شرمندگی کی بات ہے۔

حدیث نمبر: ۱۴

ترجمہ: تم میں بہترین شخص وہ ہے جس قرآن شریف سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔ (بخاری)
خلاصہ: قرآن مجید خدائے تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے اس کے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل ہوئی۔ اس میں دین اور دنیا کی ساری بھلائیاں یکجا کی گئی ہیں۔ اس لیے اس کا پڑھنا ثواب اور سیکھنا نہایت ضروری ہے۔ بڑے ہی خوش نصیب اور قابل قدر ہیں وہ لوگ جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں۔



رباعیات

رتبہ جسے دنیا میں خدا دیتا ہے
وہ دل میں فروتنی کو جادیتا ہے
کرتے ہیں تہی مغز ثناء آپ اپنی
جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

(انیس)

کم ظرف اگر دولت وزر پاتا ہے
مانند حباب ابھر کے اتراتا ہے
کرتے ہیں ذرا سی بات پہ فخر خسیس
تکا تھوڑی ہوا سے اوڑ جاتا ہے

(اسجد)

تدبیر تو ہم لوگ بہت کرتے ہیں
تشہیر تو ہم لوگ بہت کرتے ہیں
اے کاش کہ تعمیر بھی ہوتی ہم سے
تقدیر تو ہم لوگ بہت کرتے ہیں

(جانی)



ہندی ہے تو ہند کی لگن پیدا کر
دل میں تپش حب وطن پیدا کر
کیا فکر ہے اپنے چار تنکوں کی تجھے
شیدائے چمن عشق چمن پیدا کر

(داتا تریہ کیٹی)

ہمت کے سوا نہ کوئی اپنا ہوگا
مرنے جینے کا یہ سہارا ہوگا
ہمت ہے ساتھ راہ ہستی میں اگر
تہا ہو کر بھی تو نہ تہا ہوگا

(اثر دہلوی)

مظہر جلوہ خدا ہے ہر شے
جوہر نور کبریا ہے ہر شے
مانا فانی ہے ہر شے ایک مگر
رہبر منزل بقا ہے ہر شے

(گوہر کریم نگری)



اظہارِ حقیقت پہ جگر چھلتا ہے
 غنچہ کوئی صحرا میں کہیں کھلتا ہے
 اس دور میں آسان ہے خدا ملنا
 انسان مرے بھائی کہاں ملتا ہے
 (ڈاکٹر محبوب راہی)

رخساروں میں تیری ہی دمک دیکھتے ہیں
 ہر عضو میں تیری ہی لچک دیکھتے ہیں
 پڑتی ہے آنکھ اپنی جب خلقت پر
 ہر چیز میں تیری ہی جھلک دیکھتے ہیں
 (فراق گورکھپوری)

جو تجھ میں ہے گم، اس کا نہ پایا کچھ راز
 ٹوٹا جو کوئی ساز تو ہے بے آواز
 دعوے سے مجھے نظر تو آیا خالی
 ہے ظرف میں پانی تو نہ ہوگی آواز
 (داراشکوہ)

ہر حال میں راضی بہ رضا ہوتا ہے
 سچ مانے ساتھ اس کے خدا ہوتا ہے
 افلاس برا نہیں کبھی اے دوست
 افلاس کا احساس برا ہوتا ہے
 (گوہر کریم نگری)



حمد باری تعالیٰ

زمیں تیری زماں تیرا ہے امرکن فکاں تیرا
تو خلاق یا رب! ہے مخلوق آسماں تیرا

شجر تیرے ثمر تیرے، ہے اور آب رواں تیرا
فلک پر ضوفشاں وہ کاروان کہکشاں تیرا

تو متاع گل خنداں، گلوں میں بوے گل تیری
پیوران چمن تیرے، نظامِ گلستاں تیرا

بہر گوشہ بہر جانب تجلی عام ہے تیری
بہر سو ہیں تیرے جلوے، ہر ایک شئی میں نشاں تیرا

ہیں اوصاف و ثناء تیرے لب خار بیاباں پر
وحوشِ دشت کی یارب زباں پر ہے بیاں تیرا

درخشاں کو کب و شمس و قمر ہیں نور سے تیرے
اجالا ظلمتوں میں ہر طرف ہے فضوفشاں تیرا



تو پوشیدہ میں ہے ظاہر، تو ظاہر میں ہے پوشیدہ
حقیقت یہ ہے کہ بے شک عیاں تیرا نہاں تیرا

ثنا خواں حرف گلشن میں عنادل ہی نہیں تیرے
گلوں میں خار بھی پایا گیا تسبیح خواں تیرا

حوادث موج و طوفان و ہنور گرداب ہیں تیرے
تیری رحمت میری کشتی ہے بحر بے کراں تیرا

قلم میں ہے نہ وہ قوت، زباں میں ہے نہ وہ طاقت
بیاں ہو وصف کیسے، اے مکین لامکاں تیرا

بوقت مرگ راغب ہے یہ تجھ سے التجا یارب
میسر دید آقا نام ہو ورد زباں تیرا



نعت نبوی ﷺ

(حضرت مولانی قاری محمد طیب صاحبؒ)

تو ہے وہ نقطہ انوار فیضان خداوندی
کہ جس سے نورساں ہے قضاے بزم امکانی
بنے اگلے نبی تجھ سے ہوئے پچھلی ولی تجھ سے
تیرے ہی فیض سے ارزاں ہوئی شاہوں کو سلطانی
مقامات عروج روح تم سے ہیں نہ تم ان سے
ہے سورج خود سے روشن اور شعاعین اس سے نورانی
نبوت ہی نہیں ختم نبوت کے ہو تم حامل
ستارے انبیاء ہیں اور تم ہو مہر نورانی
زمینی طاقتوں کا منتہا ہے ایٹمی ذرہ
خدائی طاقتوں کا منتہا ہے ذات نورانی
کمالات نبوت ختم ہیں ذات مقدس پر
نہ ہو ختم زمانی کیوں نہ پھر طغرائے پیشانی
براق برق پاتخت رواں تھا ذات اقدس کا
قدم کیا لیتا آکر منجد تخت سلیمانی

نیک ارادے

علم و عمل کا شوق بڑھاتے رہیں گے ہم

سوے ہوئے دلوں کو جگاتے رہیں گے ہم

شیریں کلامیاں ہی مسرت کے پھول ہیں

یہ پھول ہر قدم پہ کھلاتے رہیں گے ہم

گرتے ہوؤں کو بڑھ کے اٹھانا ہے خاک سے

ذروں کو آفتاب بناتے رہیں گے ہم

ایمان و اتحاد کے روشن چراغ سے

دیروحرم کے طاق سجاتے رہیں گے ہم

اپنوں سے ہی وفورِ محبت رہی تو کیا

غیروں کو بھی گلے سے لگاتے رہیں گے ہم

اپنے پڑوسیوں کی بھی لازم ہے خدمتیں

ہر فرض سب کو یاد دلاتے رہیں گے ہم

اللہ اپنی منزل مقصود کی طرف

بڑھتے رہیں گے سب کو بڑھاتے رہیں گے ہم



ہمت سے کام لو

بشر کو ہے لازم کہ ہمت نہ ہارے جہاں تک ہو کام آپ اپنے سنوارے

خدا کے سوا چھوڑدے سب سہارے کہ ہیں عارضی اور کم زور سارے

آڑے وقت تم دائیں بائیں نہ جھانکو

سدا اپنی گاڑی کو خود ہانکو

کرو یاد اپنے بزرگوں کی حالت شدائد میں جو ہارتے تھے نہ ہمت

اٹھاتے تھے برسوں شفقت غربی میں کرتے تھے کسب فضیلت

جہاں کھوج پاتے علم و ہنر کا

نکل گھر سے لیتے تھے رستہ ادھر کا

تمہیں اپنی مشکل کو آساں کرو گے تمہیں درد کا اپنا درماں کرو گے

تمہیں اپنی منزل کا ساماں کرو گے کرو گے تمہیں کچھ اگریاں کرو گے

چھپا دست ہمت میں زور قضا ہے

مثل ہے کہ ہمت کا حامی خدا ہے



خاک ہند

اے خاک ہند تیری عظمت میں کیا گماں ہے
دریاے فیض قدرت تیرے لیے رواں ہے
تیری جبیں سے نور حسن ازل عیاں ہے
اللہ رے زیب و زینت کیا اوج عزو شان ہے

ہر صبح ہے یہ خدمت خورشید پر ضیا کی
کرنوں سے گوندھتا ہے چوٹی ہمالیہ کی

اس خاک دل نشیں سے چشمے ہوئے وہ جاری
چین و عرب میں جن سے ہوتی تھی آبیاری
سارے جہاں پہ جب تھا وحشت کا ابر طاری
چشم و چراغ عالم تھی سرزمین ہماری

شمع ادب نہ تھی جو یوناں کی انجمن میں
تاباں تھا مہر دانش اس وادی کہن میں



گوتم نے ابرو دی اس معبد کہن کو
سرد نے اس زمین پہ صدقے کیا وطن کو
اکبر نے جام الفت بخشا اس انجمن کو
سینچا لہو سے اپنے رانے اس چمن کو

سب سور پیر اپنے اس خاک میں نہاں ہیں
ٹوٹے ہوئے کھنڈر ہیں یا ان کی ہڈیاں ہیں

دیوار ودر سے اب تک ان کا اثر عیاں ہے
اپنی رگوں میں اب تک ان کا لہرواں ہے
فردوس گوش اب تک کیفیت اذال ہے

کشمیر سے عیاں ہے جنت کا رنگ اب تک
شوکت سے بہہ رہا ہے دریائے گنگ اب تک



اگلی سی تازگی ہے پھولوں میں اور پھلوں میں
کرتے ہیں رقص اب تک طاؤس جنگلوں میں
اب تک وہی کڑک ہے بجلی کی بادلوں میں
پستی سی آگئی ہے پر دل کے حوصلوں میں

گل شمع انجمن ہے گوانجمن وہی ہے
حب وطن وہی ہے خاک وطن وہی ہے

اے صدر حب قومی اس خواب سے جگادے
بھولا ہوا فسانہ کانوں کو پھر سنا دے
مردہ طبیعتوں کی افسردگی مٹا دے
اٹھتے ہوئے شرارے اس راگ سے دکھا دے

حب وطن سماے آنکھوں میں نور ہو کر
سر میں خمار ہو کر دل میں سرور ہو کر
(چلبست)



ابوالکلام آزاد

گا ہے گا ہے ہی سہی، نام لیا کرتے ہیں
ہم، بہر حال تمہیں یاد کیا کرتے ہیں

یاد ہے، آپ کی بے باک صحافت ہے یاد
رعب کردار، وہ بے لاگ سیاست ہے یاد
آپ کا کردار، وہ شور خطابت ہے یاد
آپ کی آخری تقریر عدالت ہے یاد
پیکر صدر و صداقت تھی تمہاری ہستی
علم و عرفاں کی تو مورت تھی تمہاری ہستی

یہ نہ سمجھو کہ بھلا دی ہیں، یہ ساری باتیں
آج بھی یاد ہیں، بہتوں کو تمہاری باتیں
وہ چڑے اور چڑیا کی کہانی کیا تھی؟!
چائے کے ذکر میں بھی چرب زبانی کیا تھی!
عربی، فارسی، اور فلسفہ دانی، کیا تھی
قلم نغز رقم، کی وہ روانی کیا تھی!



قید میں بھی ادب و شعر کی خدمت ہے یاد

آپ کا پہلا قلمدان وزارت، ہے یاد

یہ نہ سمجھو کہ بھلا دی ہیں یہ ساری باتیں

آج بھی یاد ہیں، بہتوں کو تمہاری باتیں

کسی انگریز سے سمجھوتے پہ مائل نہ تھے آپ

مونٹ بیٹن کی طرح گربہ شامل نہ تھے آپ

اپنا حق مانگ رہے تھے، کوئی سائل نہ تھے آپ

ہم کو معلوم ہے، تقسیم کے قائل نہ تھے آپ

آپ موتی کے رفیق، آپ جواہر کے شفیق

آپ گاندھی کے نفیب، آپ تھے جوہر کے صدیق

یہ نہ سمجھو کہ بھلا دی ہیں یہ ساری باتیں

آج بھی یاد ہیں، بہتوں کو تمہاری باتیں

یو تو مسنہ دیکھے کی الفت ہے زمانے کا شعار

بعد مرنے کے بھلا کون ہوا ہے غم خوار

پھر بھی کچھ لوگ ہیں، رکھتے ہیں حقائق سے جو پیار



جن کے سینوں میں تعصب کا نہیں گرد وغبار

ذوق کو، جذبے کو، قربانی کو، پہچانتے ہیں

آپ کے رتبے کو، مجبوریوں کو جانتے ہیں

کون کہتا ہے بھلائی ہیں یہ ساری باتیں

آج بھی یاد ہیں بہتوں کو تمہاری باتیں

نام کے مچی، خیالات کے آزاد تھے آپ

مسئلوں پر کبھی ڈٹ جاتے، تو فولاد تھے آپ

تھے تشدد کے عدو، دشمن بیداد تھے آپ

حق میں انگریز کے سفاک تھے، جلا دتھے آپ

یہ نہ سمجھو کہ بھلائی ہیں یہ ساری باتیں

آج بھی یاد ہیں، بہنوں کو تمہاری باتیں

گا ہے گا ہے ہی سہی نام لیا کرتے ہیں

ہم بہر حال تمہیں یاد کیا کرتے ہیں



غزل

بڑھاؤ نہ آپس میں ملت زیادہ
تکلف علامت ہے بے گانگی کی
کرو دوستو پہلے آپ اپنی عزت
جہاں رام ہوتا ہے میٹھی زباں سے
مبادا کہ ہو جائے نفرت زیادہ
نہ ڈالو تکلف کی عادت زیادہ
جو چاہو کریں لوگ عزت زیادہ
نہیں لگتی کچھ اس میں دولت زیادہ
جتاؤ نہ اپنی محبت زیادہ
نہ رکھو امیروں سے ملت زیادہ
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ
نہ الفت بھی، وحشت بھی دنیا سے لازم
نہ الفت زیادہ نہ وحشت زیادہ

غزل میں وہ رنگت نہیں تیری حالی

الاپیں نہ بس آپ دھر پت زیادہ

(مولانا الطاف حسین حالی)



غزل

علامہ اقبال

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی
عطار ہو رومی ہو ، رازمی ہو ، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی
نومید نہ ہو ان سے اے رہبرِ فرزاند!
کم کوش تو ہیں لیکن بے ذوق نہیں راہی
اے طائرِ لاہوتی! اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی
دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیرِ ادلی
ہو جس کی فقیری میں بوے اسدِ للہی
آئین جو انمرِ داں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رو باہی



حضرت سلیمان علیہ السلام اور لکڑہارا

حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ کے رسول تھے۔ اللہ نے ان کو بڑی بادشاہت عطا کی تھی۔ ایک دفعہ وہ شہر میں پھر رہے تھے کہ دیکھا کہ ایک ضعیف آدمی لکڑیوں کا گٹھا سر پر لیے چلا آ رہا ہے۔ محنت سے ہانپ رہا ہے اور پسینے میں شرابور ہے۔ آپ کو اس کے حال پر رحم آیا، اس کا نام پوچھا۔ کہا ”میرا نام سلیمان ہے۔“

حضرت سلیمان علیہ السلام نے دل میں کہا، خدا کی قدرت ہے۔ میرا نام بھی سلیمان ہے اور اس کا نام بھی سلیمان ہے۔ مگر میں بادشاہ ہوں اور یہ آدمی ضعیفی میں سختی جھیل رہا ہے۔ فوراً اپنے تاج میں سے ایک لعل نکال کر بوڑھے لکڑہارے کو دیا اور فرمایا: ”یہ لے، تجھے بلکہ تیری کئی پشت تک کے لیے کافی ہوگا۔ اب یہ محنت چھوڑ دے۔“

بڑھے نے وہ لعل لیا اور لکڑیوں کا گٹھا سر سے پھینک کر خوش خوش گھر چلا گیا۔ راستے میں بار بار ہاتھ کھول کر لعل دیکھتا اور خوش ہوتا تھا۔ اتنے میں چیل نے اسے گوشت کا ٹکڑا سمجھ کر اچانک جھپٹا مارا اور رصاف لے اڑی۔ بڑھا ہاتھ ملتارہ گیا۔

اس کے بعد بڑھا سوچنے لگا کہ آج اپنے بال بچوں کو کیا کھلاؤں گا۔ چلو وہی لکڑیوں کا گٹھا وہاں سے اٹھا کر بیچ لوں۔ وہاں جا کے دیکھا تو گٹھا غائب تھا بے چارہ کمر پکڑ کر بیٹھا رہا، کہا اب گھر جا کر کیا منہ دکھاؤں۔ رات وہیں شہر میں گزار دی۔ صبح جنگل میں جا کر لکڑیاں چننے لگا۔ اتفاق سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی سواری ادھر آگئی۔ بڑھے کو دیکھ کر پہچان گئے فرمایا ”بڑھے! تو بڑا حریص اور احمق معلوم ہوتا ہے۔“ اس بڑھے نے کل کا قصہ سنایا، حضرت سلیمان علیہ السلام کو بڑا رحم آیا اسے دو لعل دے کر چلے گئے۔ اس دفعہ بڑھے نے لعل لے کر مٹھی بند کر لی اور گھر کی راہ لی راستے میں ایک ندی تھی بیچ ندی میں پہنچا تو پاؤں پانی کی لہروں کے زور سے اکھڑ گئے۔ دو چار ڈبکیاں کھائیں لعل ہاتھ سے چھوٹ گیا اور خود ڈوبتے ڈوبتے بچا۔ پھر غم میں ڈوبا ہوا لکڑیاں



چننے لگا۔ گٹھا باندھ کر شہر میں پہنچا تو پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے دور سے دیکھ لیا اور اسے بلایا۔ حال پوچھا بڑھے نے ماجرا سنایا اور کہا، خدا جانے، میرے بال بچوں کا کیا حال ہوگا۔“ حضرت سلیمان علیہ السلام کو بڑا رحم آیا تیسرا لعل عطا فرمایا جو پہلے دونوں سے زیادہ قیمتی تھا۔

اب کی دفعہ بڑھے نے لعل کو پگڑی میں باندھ لیا تھوڑی دور چلا تھا کہ ایک اچکے نے اس کی پگڑے اچک لی اور بھاگ گیا بڑھا روٹا پٹینتا حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچا عرض کیا۔ اے اللہ کے پیغمبر! آپ کا دیا میرے کچھ کام نہ آیا بلکہ میرے بال بچے بھوکے رہے۔“ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا ”جب اللہ ہی نہ چاہے تو کوئی کسی کا کیا بھلا کرے۔ جاؤ اور اپنا کام کرو۔“ بہت دنوں کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کہیں جا رہے تھے۔ جب لکڑہارے کی بستی میں پہنچے تو بڑھے کی یاد آگئی۔ نوکر بھیج کر اسے بلوایا۔ بڑھا حاضر ہوا۔ دیکھا تو بہت اچھے حال میں ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو تعجب ہوا۔ پوچھا کیا حال ہے؟ عرض کیا: خدا کا شکر ہے۔ بہت مزے میں ہوں جب آپ سے رخصت ہو کر لوٹا تو میں نے اللہ کے حضور عاجزی کی رو یا دھویا اور کہا، مالک! اب تیرے سوا کسی کا آسرا نہیں بس مجھ پر رحم کر۔“

”دوسرے دن جنگل میں لکڑیاں کاٹنے گیا۔ ایک درخت پر چڑھا۔ دیکھا تو کھوہ میں تینوں لعل دھرے ہیں۔ اٹھا کر گھر لے آیا اور اللہ کی دین کا اب تک شکر ادا کرتا ہوں۔ جب تک مجھے حضرت سلیمان علیہ السلام پر بھروسہ تھا میں بے نصیب رہا اور جب میں نے سچے دل سے اللہ پر بھروسہ کیا اور اس سے مانگا تو اس نے اس طرح دیا کہ کوئی مجھ سے نہ چھین سکا۔“



حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

وہ مبارک خاتون کون ہیں جنہیں اتنی فضیلتیں حاصل ہیں کہ ان فضیلتوں کی وجہ سے آپ امت کی افضل ترین خاتون ہیں۔ ان میں سے ایک فضیلت تو یہ ہے کہ آپ وہ پہلی خاتون ہیں جنہیں رسول اکرم کی رسالت پر تمام مردوں اور عورتوں میں سب سے پہلے ایمان لانے کا شرف حاصل ہے۔ یہی نہیں، آپ کو حضور اکرم کی پہلی زوجہ پاک اور پہلی ام المؤمنین ہونے کا درجہ بھی حاصل ہے۔ آپ وہ خاتون ہیں جنہوں نے اپنی ساری دولت بلکہ اپنا تن من دھن حضور اکرم پر قربان کر دیا۔ آپ وہ خاتون ہیں جنہوں نے انتہائی دولت مندی اور آسائش میں زندگی گزارنے کے باوجود ایک وقت ایسا بھی آیا کہ حضور کریم کے ساتھ تین سال کا عرصہ ایک گھاٹی میں انتہائی تکلیفوں اور شدید بھوک پیاس کے ساتھ بھی نہایت صبر اور ہمت سے گذرا۔ آپ وہ خاتون ہیں جو مکے میں اسلام سے قبل بھی اپنی پاکدامنی کی وجہ سے ”طاہرہ“ کے لقب سے مشہور تھیں۔ آپ وہ خاتون ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعہ اپنا سلام بھیجا۔ ان عظیم خاتون کا اسم گرامی حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہے۔

حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا۔ آپ کو اب ایک ایسے شخص کی تلاش تھی جو دیانتداری سے ان کا سامان تجارت دوسرے ملکوں میں بیچ آیا کرے۔ حضرت خدیجہ کو جب پیارے نبی پاک کی سچائی اور دیانتداری کا علم ہوا تو انہوں نے نبی پاک کو بلوایا اور درخواست کی کہ آپ میرا سامان تجارت دوسرے ملکوں میں فروخت کرنے کے لیے لے جایا کریں۔ حضور پاک نے ان کی یہ درخواست قبول فرمائی۔

حضور کریم حضرت خدیجہ کا تجارت کا مال لے کر جب ملک شام جانے لگے تو حضرت خدیجہ نے اپنا ایک غلام جس کا نام میسرہ تھا، حضور پاک کے ہمراہ روانہ کر دیا۔ روانگی سے قبل اس غلام کو ہدایت کی کہ سفر اور تجارتی لین



دین کے دوران تم جو کچھ دیکھو وہ تفصیل سے مجھے آکر بتانا۔

حضور اکرمؐ تجارتی سفر سے جب واپس تشریف لائے تو کافی منافع کی خوشخبری کے ساتھ ساتھ غلام نے حضرت خدیجہؓ کو رسول اکرمؐ کے بہترین اخلاق اور دیانت داری کا حال بھی سنایا۔

حضرت خدیجہؓ تو پہلی ہی ملاقات میں حضور اکرمؐ کی شرافت کا اندازہ ہو گیا تھا۔ اب غلام کے بیان سے اس کی تصدیق بھی ہو گئی۔ حضرت خدیجہؓ نے آنحضرتؐ کی خدمت میں نکاح کا پیغام بھیجا۔ حضور پاکؐ کے چچا حضرت ابوطالب نے آپؐ کے لیے یہ پیغام قبول فرمایا اور اس طرح حضرت خدیجہؓ کا نکاح حضور اکرمؐ سے ہو گیا۔ اس وقت حضور اکرمؐ کی عمر مبارک پچیس سال تھی اور ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ چالیس سال کی تھیں۔ شادی کے بعد حضرت خدیجہؓ نے اپنی باقی زندگی حضور اکرمؐ کی انتہائی خدمت کرتے گزاری۔ آپؐ بہت مالدار خاتون تھیں لیکن حضور کریمؐ سے شادی کے بعد آپؐ نے کبھی اپنے مال و دولت پر فخر نہیں کیا۔ آپؐ نے اپنی ساری دولت حضور پاکؐ کے حوالے کر دی تھی کہ اسے اللہ کی راہ میں جس طرح چاہیں خرچ فرمائیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ بے حد عزیز تھیں۔ جب تک وہ زندہ رہیں، آپؐ نے دوسری شادی نہیں کی۔ حالاں کہ اس زمانے میں عرب میں ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کا عام رواج تھا۔ حضرت خدیجہؓ کا جب انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے حد غمگین ہوئے۔ آپؐ زندگی بھر ان کا ذکر عزت اور محبت سے کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آپؐ قربانی کا گوشت یا اس قسم کی دوسری چیزیں تقسیم فرماتے تو حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں کو ضرور حصہ بھیجتے۔ آپؐ ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ کی بہن حضرت ہالہؓ سے بڑی شفقت کا برتاؤ فرماتے۔

ایک بارے حضور اکرمؐ نے حضرت خدیجہؓ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: ”مجھے خدیجہؓ سے اچھی، بہتر اور مہربان بیوی نہیں ملی۔ خدیجہؓ اس وقت مجھ پر ایمان لائی اور میری نبوت کی گواہی دی جب لوگ مجھے جھٹلا رہے تھے اور میرا مذاق اڑاتے تھے۔ انہوں نے اس وقت میری مدد کی جب مجھے سہارے کی ضرورت تھی۔ میرے پاس جب کچھ نہ تھا تو انہوں نے مال و دولت سے میری مدد کی۔ اس کے علاوہ خدیجہؓ سے اللہ



تعالیٰ نے مجھے کئی اولادیں عطا کیں۔“

ایک اور موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدیجہؓ امت کی افضل ترین خاتون ہیں۔ حضرت خدیجہؓ کی خدمات اللہ تعالیٰ کو بھی بہت پسند تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے حضرت خدیجہؓ کے لیے سلام بھیجا۔ ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ کی زندگی مسلمان عورتوں کے لیے ایک مثالی زندگی ہے جس پر عمل کر کے وہ دنیا اور آخرت کی کامیابی حاصل کر سکتی ہیں۔



خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضور پاکؐ کے ساتھیوں کو صحابہ کہتے ہیں۔ نبی ﷺ کے بعد صحابہ نے ہی اسلام کو ساری دنیا میں پھیلایا۔ ان صحابہ میں ایک صحابی حضرت ابو بکرؓ بھی تھے۔ آپؓ مردوں میں سب سے پہلے ایمان لائے۔ مسلمان ہونے سے پہلے بھی آپؓ بڑے سچے تھے۔ لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے۔ بھوکوں کو کھانا کھلاتے اور کمزوروں کی مدد کیا کرتے تھے۔ مکہ کے تمام لوگ آپؓ کی عزت کرتے تھے۔ ایمان لانے کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے اپنی تمام قوت، جان اور مال کو اللہ اور اس کے رسول کے لیے قربان کر دیا۔

مکہ والوں نے نبی ﷺ کو بہت ستایا اور پریشان کیا۔ (نعوذ باللہ) نبی ﷺ کو جان سے مارنا چاہ رہے تھے۔ اس وقت اللہ نے نبی ﷺ کو ہجرت کا حکم دیا۔ (اپنے دین اور جان و مال کی حفاظت کے لیے اپنے وطن کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جانے کو ہجرت کہتے ہیں) ہمارے نبی ﷺ نے اللہ کے حکم سے اپنے شہر مکہ کو چھوڑ کر مدینہ جانے کا ارادہ کیا۔ مدینہ کا نام اس وقت یثرب تھا۔

پیارے نبی ﷺ، حضرت ابو بکرؓ کو ساتھ لے کر مدینہ کی طرف چل پڑے۔ چلتے چلتے جب ہمارے نبی ﷺ



کے پاؤں مبارک زخمی ہو گئے تو حضرت ابو بکرؓ نے ہمارے نبی ﷺ کو اٹھا کر غار ثور تک پہنچایا۔ غار میں پہلے حضرت ابو بکرؓ داخل ہوئے تاکہ اس کو صاف کریں۔ غار کے اندر سانپوں کے بل تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اپنی چادر پھاڑ کر ان بلوں کو بند کیا پھر بھی ایک سوراخ باقی رہ گیا تھا۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ نے اپنا پاؤں رکھ دیا۔

پیارے نبی ﷺ غار میں داخل ہوئے اور حضرت ابو بکرؓ کی گود میں سر رکھ کر سو گئے۔ جس سوراخ پر حضرت ابو بکرؓ نے پاؤں رکھا تھا اس میں ایک سانپ تھا۔ وہ سانپ آپؓ کو بار بار ڈس رہا تھا۔ اس کے باوجود حضرت ابو بکرؓ نے نبی ﷺ کو نہیں جگایا۔ آخر کار درد کی وجہ سے حضرت ابو بکرؓ کے آنسو نکل پڑے۔ آنسو کا ایک قطرہ حضرت محمد ﷺ کے چہرہ مبارک پر گرا۔ اس سے نبی ﷺ جاگ گئے اور رونے کی وجہ پوچھی۔ حضرت ابو بکرؓ نے ساری بات بتائی۔ نبی ﷺ نے اپنا لعاب مبارک سانپ کے ڈسنے کے مقام پر لگایا جس سے فوراً آرام ہو گیا۔ مدینہ پہنچنے تک حضرت ابو بکرؓ نے نبی ﷺ کی ہر طرح خدمت کی۔

ہمارے نبی ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکرؓ مسلمانوں کے خلیفہ (امیر) بنے۔ خلافت کے دوران محلہ کے بچے اپنی بکریاں آپؓ کے پاس لائیں۔ آپؓ ان بکریوں کا دودھ نکال کر ان بچوں کو دیتے۔ حضرت ابو بکرؓ بچوں سے اس قدر محبت کرتے تھے کہ جب آپؓ محلہ میں نکلتے تو بچے ”بابا“ ”بابا“ کہہ کر دوڑتے اور آپؓ سے لپٹ جاتے۔ حضرت ابو بکرؓ امیر بننے کے باوجود اپنا سب کام اپنے ہاتھ سے کرتے۔ آپؓ نے ساری زندگی نبی ﷺ کی اطاعت میں گزاری۔

حضرت ابو بکرؓ نے 63 سال کی عمر میں انتقال فرمایا اور نبی ﷺ کی قبر اطہر کے بازو میں دفن ہوئے۔ نبی اکرمؐ کے صحابہ کرام حضور پاکؐ پر دل و جان سے فدا تھے۔ وہ نبی پاکؐ کے ایک ذرہ سے اشارے پر اپنی جان نثار کرنے کو زندگی کی سب سے بڑی کامیابی سمجھتے تھے۔ وہ ہر وقت شمع رسالتؐ کے گرد پروانوں کی مانند منڈلاتے رہتے تھے۔ انہیں پروانوں میں سب سے محترم نام حضرت ابو بکر صدیقؓ کا آتا ہے۔ آپؓ کا نام عبد اللہ، کنیت ابو بکر اور لقب صدیق تھا۔ والد ابو قحافہ اور والدہ ام الخیر تھیں۔ اس زمانے میں مکہ میں سب سے زیادہ باعزت اور مالدار قبیلہ قریش کا تھا۔ آپؓ اسی قبیلہ میں پیدا ہوئے۔ آپؓ بچپن ہی سے جھوٹ، بتوں کی پوجا



اور ہر برائی سے پرہیز کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام لانے سے پہلے بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنی سچائی، دیانتداری اور عمدہ اخلاق کی وجہ سے مکے کے لوگوں میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ بچپن ہی سے حضور پاک ﷺ کے دوست تھے۔ جوانی میں بھی اکثر تجارتی سفروں میں حضور اکرمؐ کے ساتھ ہوتے تھے۔ اس لیے رسول کریمؐ کی عمدہ عادات اور نہایت بلند اخلاق سے آپؓ اچھی طرح واقف تھے۔ آپؓ فرماتے تھے کہ رسول پاکؐ دنیا کے سب سے اچھے انسان ہیں۔ رسول اکرمؐ سے آپؓ بے حد محبت کرتے تھے اور حضورؐ کی ہر بات پر فوراً یقین کر لیا کرتے تھے۔ حضور پاکؐ کے واقعہ معراج کے وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ مکے میں موجود نہ تھے۔ جب واپس تشریف لائے تو کافروں کے سردار ابوجہل نے آپؓ سے کہا: ”آپؓ کے دوست محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں کہ رات کو میں نے آسمانوں کی سیر کی ہے۔“ آپؓ نے ابوجہل سے پوچھا کہ کیا تم نے یہ بات خود حضور پاکؐ کی زبان مبارک سے سنی ہے؟ ابوجہل نے کہا ”ہاں“۔ یہ سنتے ہی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا کہ میں اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ یہ بات بالکل صحیح ہے۔ کیوں کہ میرے رسولؐ جھوٹ نہیں بول سکتے۔ یہ جواب سن کر ابوجہل اپنا سامنہ لے کر رہ گیا۔ حضور پاکؐ کو اس بات کا پتہ چلا تو آپؓ نے خوش ہو کر حضرت ابوبکرؓ کو ”صدیق“ کا لقب عطا فرمایا۔ صدیق کے معنی ہیں انتہائی سچ بولنے والا یا اپنے عمل سے سچ کر دکھانے والا۔

قریش کے وہ لوگ جو ایمان نہیں لائے تھے، ڈرتے تھے کہ لوگوں کے ایمان لانے سے کہیں ان کی قوت اور عزت کم نہ ہو جائے۔ اس لیے انہوں نے مسلمانوں کو ستانا اور تنگ کرنا شروع کیا۔ ان کے غلاموں میں سے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے، قریش ان میں سے کسی کو دھوپ میں پتی ہوئی ریت پر گھنٹوں لٹاتے، کسی کو کوڑے مارتے اور کسی کے بدن کو لوہے کی گرم سلاخ سے داغتے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان میں سے کئی غلاموں کو ان کے ظالم آقاؤں سے خرید کر آزاد کر دیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ رسول کریمؐ پر دل و جاں سے فدا تھے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جنگ تبوک کے موقع پر سامان جنگ خریدنے کے لیے روپے پیسے کی ضرورت پڑی۔ رسول اکرمؐ کے فرمانے پر تمام صحابہؓ نے دل کھول کر مدد کی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے گھر کا سارا سامان لا کر حضور



اکرم کی خدمت میں پیش کر دیا۔

یہ دیکھ کر حضورؐ نے دریافت فرمایا: ”اے ابوبکرؓ! گھر والوں کے لیے بھی کچھ چھوڑا ہے؟“ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! گھر والوں کے لیے اللہ اور اس کا رسول کافی ہیں۔“

رسول کریمؐ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ پر بے حد اعتماد تھا۔ آپؐ نے اللہ کے حکم سے مکہ چھوڑ کر جب ہجرت کر کے مدینے جانے کا فیصلہ کیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی کو اپنے ساتھ لیا۔ راستے میں مکہ سے تھوڑے فاصلے پر رسول کریمؐ کو ثور نام کے ایک غار میں کچھ دن ٹھہرنا پڑا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی محبت دیکھتے ہی کہ اس غار میں پہلے خود داخل ہوئے اور غار کے سوراخوں کو اپنے کپڑے کی دھجیوں سے بند کیا۔ اس کے بعد حضور اکرمؐ کو غار بلایا۔ غار میں قیام کے دوران ایک دن آپؐ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زانوے مبارک پر سر رکھ کر آرام فرمانے لگے۔ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ایک سوراخ نظر آیا۔ آپؐ نے اس سوراخ پر اپنے پاؤں کا انگوٹھا رکھ دیا۔ تاکہ کوئی کیڑا وغیرہ نہ آجائے۔ اتفاق سے اس سوراخ میں ایک سانپ تھا۔ اس نے آپؐ کے اسی انگوٹھے پر ڈس لیا۔ مگر آپؐ نے وہاں سے اپنا انگوٹھا نہ ہٹایا کہ حرکت کرنے سے کہیں حضور اکرمؐ کی آنکھ نہ کھل جائے اور یہ موذی حضور پاکؐ کے لیے تکلیف کا سبب نہ بن جائے۔ سانپ کے ڈسنے کی تکلیف کی شدت سے آپؐ کی آنکھوں میں آنسو آگئے جو حضور انورؐ کے روئے مبارک پر گر پڑے۔ اس سے آپؐ کی آنکھ کھل گئی۔ آپؐ نے دریافت فرمایا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا: مجھے سانپ نے ڈس لیا ہے۔ حضورؐ نے اسی وقت اپنا لعاب مبارک ڈسی جانے والی جگہ پر لگا دیا۔ جس سے سانپ کے ڈسنے کا اثر جاتا رہا۔ حضور پاکؐ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تین دن اس غار میں قیام فرمایا۔ اس دوران حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ایک بیٹا شام کو غار میں آکر مکے کے کافروں کے حالات بتا جاتا۔ ادھر صبح کو آپؐ کا چرواہا بکریاں چراتے چراتے غار ٹور تک پہنچ جاتا اور بکریوں کا دودھ پلا جاتا۔ آپؐ کی بیٹی حضرت اسماءؓ بھی چھپ چھپ کر آپؐ دونوں کے لیے گھر سے کھانا لاکر پہنچاتیں۔ تین دن بعد آپؐ کا مقرر کیا ہوا آدمی دواؤنٹ لے کر وہاں آگیا۔ آپؐ دونوں ان اونٹوں پر سوار ہو کر مدینے شریف کے لیے روانہ ہو گئے۔

حضور پاکؐ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے زمانے میں کچھ لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے



انکار کر دیا۔ کچھ صحابہؓ نے مشورہ دیا کہ آج کل حالات خراب ہیں، آپؐ فی الحال زکوٰۃ وصول کرنے پر زور نہ دے۔ لیکن آپؐ نے فرمایا کہ میں زکوٰۃ ہرگز نہیں چھوڑوں گا خواہ کسی کے ذمے اونٹ کی گردن کی رسی ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ آپؐ نے زکوٰۃ نہ دینے والوں کے خلاف جنگ کی اور زکوٰۃ وصول کر کے چھوڑی۔

یہی نہیں بلکہ حضور اکرمؐ نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کی سربراہی میں ایک جنگ کے لیے لشکر تیار کیا تھا۔ لیکن وہ ابھی روانہ نہیں ہو سکا تھا کہ حضور پاکؐ کا وصال ہو گیا۔ بعض صحابہؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو مشورہ دیا کہ حالات کی خرابی کی وجہ سے فی الحال آپؐ یہ لشکر روانہ نہ کریں۔ اس پر آپؐ سخت ناراض ہوئے اور سختی سے کہا کہ جس لشکر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترتیب دیا ہے، اسے میں ہرگز نہیں روک سکتا۔ لہذا وہ لشکر روانہ کر دیا۔ اللہ کے فضل سے وہ لشکر جنگ میں کامیاب ہو کر واپس آیا۔

آپؐ کو امانت داری کا خیال اور خوف خدا بے حد تھا۔ مسلمانوں کے بیت المال کے ایک ایک پیسے کا خیال رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ آپؐ کی اہلیہ نے کھانے میں حلوا بھی رکھ دیا۔ آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا کہ یہ حلوا کہاں سے آیا ہے؟ اہلیہ نے جواب دیا کہ یہ میں نے پکایا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس کے لیے پیسے کہاں سے آئے؟ اہلیہ نے انہیں بتایا کہ ہمیں بیت المال سے جو پیسے روزانہ ملتے ہیں، میں نے ان میں سے تھوڑے تھوڑے بچا کر جمع کر لیے تھے۔ یہ حلوا انہیں پیسوں سے بنایا ہے۔ آپؐ نے وہ حلوا نہیں کھایا۔ بلکہ سیدھے بیت المال کے محافظ کے پاس جا کر اپنے پیسے کم کروادیے۔ کہا کہ یہ پیسے ہماری ضرورت سے زیادہ ہیں۔ نبی کریمؐ کے یہ جاں نثار ساتھی اور رفیق غارؓ نے 63 سال کی عمر میں 13 ہجری میں مدینے میں وفات پائی اور حضور اکرمؐ ہی کے پہلو میں دفن ہوئے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم آپؐ کے نقش قدم پر چل کر دین اور دنیا کی کامیابی حاصل کریں۔



امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

امام ابوحنیفہؒ کا نام نعمان بن ثابت تھا۔ آپؒ بچپن ہی سے نہایت ذہین، محنتی اور اچھی عادات کے مالک تھے۔ آپؒ کو علم حاصل کرنے کا بے حد شوق تھا۔ آپؒ کے والد نے علم کا شوق دیکھ کر آپؒ کو بڑے بڑے علماء سے تعلیم دلوائی۔ آپ کے ایک مشہور استاد کا نام حمادؒ تھا۔ آپ ان کے پاس اٹھارہ سال رہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے حضرت امام جعفر صادقؒ کی صحبت میں دو سال رہ کر فیض حاصل کیا۔ ان کے علاوہ بھی آپ نے بہت سے مقامات کا سفر کر کے بڑے بڑے عالموں سے تعلیم حاصل کی۔

امام ابوحنیفہؒ قرآن و حدیث کا بہت مطالعہ کرتے تھے۔ چھوٹی سے چھوٹی سنت پر بھی بڑی توجہ سے عمل کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جلد ہی آپ کی نیکی، عبادت، علم اور ذہانت کی ہر طرف شہرت پھیل گئی۔ دور دور سے عالم آتے اور آپ سے علم حاصل کرتے۔ آپ کے شاگردوں میں امام ابو یوسفؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ بہت مشہور ہیں۔ آپ قرآن مجید، احادیث اور نبی پاکؐ کے عمل یعنی سنت سے ہر مسئلے کا حل تلاش کرتے تھے۔ آپ نے چھتیس بڑے بڑے عالموں کی ایک کمیٹی یا مجلس بنائی تھی۔ جس میں ہر مسئلے پر کئی کئی دن تک بحث ہوتی تھی۔ پھر کہیں جا کر آپ کسی مسئلے کا فیصلہ فرماتے تھے۔ اس طرح تمام فیصلے کتاب کی صورت میں جمع کر لیے گئے۔ آپ کے فیصلوں کے اس مجموعے کو ”فقہ الاکبر“ کہتے ہیں۔ اس وقت دنیا کے بہت سے ملکوں کے لوگ ان فیصلوں پر عمل کرتے ہیں۔ اسی لیے آپ کو امام اعظم کہا جاتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ ایک بڑے عالم ہونے کے علاوہ ایک عبادت گزار، دیانت دار، خوش اخلاق اور سخی انسان تھے۔ کوفہ میں آپ کا کپڑے کا کارخانہ تھے۔ جس میں ایک خاص قسم کا ریشمی کپڑا ”خرز“ تیار کیا جاتا تھا۔ آپ اس کی تجارت کرتے تھے۔ اللہ نے اس میں بڑی برکت دی تھی۔ آپ اپنی آمدنی کا بڑا حصہ خیرات کر دیا کرتے تھے۔ آپ نے بہت سے غریب طلبہ کے وظیفے بھی مقرر کر رکھے تھے۔ تجارت میں دیانتداری کا یہ عالم تھا کہ ایک بار آپ کی دکان پر ریشم کے چند تھان فروخت کے لیے رکھے تھے۔ ان میں کچھ خرابی تھی۔ آپ نے اپنے ملازم کو

ہدایت کی کہ وہ کپڑے کے ان تھانوں کو بیچنے سے پہلے گاہک کو یہ بتائے کہ ان میں یہ خرابی ہے۔ ملازم نے سب تھان بچ ڈالے۔ ان کی خرابی بتانا بھول گیا۔ امام ابوحنیفہؒ کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ نے بہت افسوس کیا اور کپڑے کے ان تھانوں کی ساری رقم خیرات کر دی۔

امام ابوحنیفہؒ کے پڑوس میں ایک موچی رہتا تھا۔ دن بھر وہ اپنے کام میں مصروف رہتا۔ شام کو گھر میں اس کے دوست احباب جمع ہوتے۔ وہ سب مل کر شور وغل کرتے۔ امام صاحبؒ رات کو عبادت میں مصروف رہتے لیکن اس شور کی وجہ سے آپ کو بہت تکلیف ہوتی۔ مگر آپ نے اپنے اس پڑوسی سے کبھی شکایت نہ کی۔ ایک رات کو تو ال کا وہاں سے گذر ہوا تو اس نے شور سنا۔ تفتیش کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ شور موچی اور اس کے دوست مچا رہے ہیں۔ کو تو ال نے موچی کو قید خانے میں ڈال دیا۔ اگلی رات کو جب امام ابوحنیفہؒ کو شور نہ سنائی دیا تو آپ کو فکر لاحق ہوئی۔ پوچھنے پر لوگوں نے بتایا کہ وہ قید خانے میں ہے۔ آپ فوراً کوفے کے گورنر کے پاس گئے اور کہا میرے ہمسائے کو کو تو ال نے گرفتار کر لیا ہے۔ میری خواہش ہے کہ اس رہائی امام ابوحنیفہؒ کی وجہ سے عمل میں آئی ہے تو وہ بہت شرمندہ ہوا۔ وہ امام صاحب کے پاس گیا اور معافی مانگی۔ اس واقعے کا موچی پر ایسا اثر ہوا کہ اس نے برائیوں سے توبہ کر لی۔

آپ کو ایک اور بہت بڑا شرف حاصل تھا جو اس زمانے کے کسی عالم کو نہ تھا وہ یہ تھا کہ آپ نے ایک صحابی رسولؐ حضرت انس بن مالکؓ کی زیارت کی تھی۔ اس لیے آپ کو ’تابعی‘ ہونے کا بھی اعزاز حاصل ہے۔ تابعی اس مسلمان کو کہتے ہیں جس نے کسی صحابی سے ملاقات کی ہو۔

آپ کے زمانے میں بغداد میں خلیفہ منصور عباسی کی حکومت تھی۔ اس نے امام صاحبؒ کو قاضی بنانا چاہا۔ لیکن آپ شاہی عہدے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ اس لیے آپ نے یہ عہدہ لینے سے انکار کر دیا۔ اس پر خلیفہ منصور ناراض ہو گیا اور قید میں ڈال دیا۔ آپ نے اسی قید خانے میں 767ھ میں وفات پائی اور بغداد میں دفن ہوئے۔ جس وقت ہزاروں سوگوار آپ کا جنازہ لیے جا رہے تھے، خلیفہ منصور اپنے محل میں سے دیکھ کر بول اٹھا: ”ملک کے اصل حاکم تو یہ تھے جو لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتے تھے۔“

اللہ تعالیٰ امام ابوحنیفہؒ کے درجات بلند کرے! جن کی محنت کی بدولت آج ہم قرآن وحدیث کے احکام کو آسانی سے سمجھ سکتے ہیں اور عمل کر سکتے ہیں۔



حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ

پیارے بچو! دنیا کے اندر بہت سے نیک انسان گزرے ہیں۔ اور انہوں نے بڑے اچھے اچھے کام کئے۔ ان کی زندگی سارے انسانوں کے لیے نمونہ اور مشعل راہ ہے۔ ان بزرگوں نے اپنے اخلاق اور کردار سے کئی لوگوں کو سیدھے راستہ کی جانب گامزن کیا۔ ان کی فکر اور تڑپ کی وجہ سے کئی لوگوں کو ہدایت کی دولت نصیب ہوئی۔ انہی بزرگ ترین اور نیک دل لوگوں میں سے ایک ابھرتا ہوا نام حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔

مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی ولادت 1303ھ میں ہوئی۔ ان کا تاریخی نام اختر الیاس رکھا گیا۔ آپ کا بچپن اپنے نانہال کا ندھلہ میں اور اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بستی حضرت نظام الدین نئی دہلی میں گذرا۔ اس وقت کا ندھلہ آپ کا خاندان دینداری کا گہوارہ تھا۔ مرد و مرد عورتوں کی بھی دینداری، عبادت گزاری، شب بیداری، ذکر و تلاوت اور اخلاق و فراست کے چرچے عام تھے۔ سارے لوگ اسی گھرانے کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور مولانا کی والدہ بھی بڑی نیک، تہجد گزار اور خوب ذکر و تلاوت کرنے والی خاتون تھیں۔ انہوں نے اپنے فرزند حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کی بڑی اچھی تربیت کی۔ مولانا الیاس صاحبؒ بچپن ہی میں حافظ ہو چکے تھے اور انتہائی بااخلاق تھے۔ آپ کی نانی بھی بہت زیادہ محبت کرتی تھیں اور ان کے اخلاق اور عمدہ صفات کو دیکھ کر کہا کرتی تھیں کہ اختر مجھے تجھ سے صحابہ کی خوشبو آتی ہے۔

مولانا الیاس صاحبؒ کی والہانہ شان کی ایک ادا ان کی دینی بے قراری کی ایک جھلک ہے۔ جس کو دیکھ کر ایک بڑے بزرگ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں مولانا الیاسؒ کو دیکھتا ہوں تو مجھے صحابہؓ یاد آجاتے ہیں۔

حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کے اندر امت کو راہ راست پر لانے کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اسی وجہ سے وہ ہر وقت بے چین اور فکر مند رہا کرتے تھے اور ہر وقت اسی فکر میں لگے رہتے کہ کس طرح سارے انسان



جہنم سے بچ کر جنت میں جانے والے بن جائیں۔ انہیں فکروں میں وہ تڑپ جاتے اور رات میں سونے کے بجائے لوگوں کی فکر میں اپنے آپ کو گھلا دیتے۔ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ آپ رات میں بے چین و بے قرار ٹہل رہے تھے۔ بیوی نے وجہ دریافت کی تو بڑے درد بھرے لہجہ میں یوں فرمایا۔

کسی کی رات رو کر کٹے، کسی کی سو کر کٹے
میری رات عجیب رات ہے نہ رو کر کٹے نہ سو کر کٹے

اسی فکر میں تھے کس طرح رسول اللہ کی امت کو راہ راست پر لایا جائے کہ سفر حج پر جانا ہوا۔ جب وہ حج وغیرہ سے فارغ ہوئے اور واپس ہونے والے قافلے واپس ہو رہے تھے، مولانا نے واپسی کے بجائے حجاز مقدس ہی میں سکونت اختیار کر لینے کا ارادہ فرمایا اور مسجد نبویؐ میں تین دن اعتکاف کی نیت سے قیام فرمایا۔ اسی دوران آپ کو خواب میں رسول اللہ کی زیارت نصیب ہوئی۔ خواب میں آپ نے فرمایا: الیاس واپس ہندوستان چلے جاؤ۔ اللہ پاک تم سے بڑا کام لے گا، خواب دیکھنے کے بعد وہ بہت حیران و بے قرار ہوئے اور مدینہ سے مکہ شریف لائے۔ اس وقت مکہ میں حضرت حاجی امداد اللہ کی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت مولانا قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ موجود تھے۔ ان سے الیاس صاحب نے اپنا خواب سنایا تو انہوں نے ہمت دی اور حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے کہا کہ آپ سے یہ کہا گیا کہ آپ سے کام لیا جائے گا۔ بس کام لینے والا جانتا ہے وہ آپ سے کیسے کام لے گا۔ پھر مولانا الیاس صاحب ہندوستان تشریف لائے اور لوگوں کو راہ راست پر لانے کے لیے دعوت و تبلیغ کے کام کی ابتدا فرمائی۔ اس کے لیے آپ نے ایسی قوم کا انتخاب فرمایا جو بہت ہی زیادہ جاہل، نا سمجھ اور نڈرتھی۔ یہ ایسی قوم تھی کہ کوئی ان پر حکومت کرنے کو بھی تیار نہیں تھا۔ مولانا الیاس کی یہ جرأت مندی اور دینی تڑپ کی بات ہے کہ انہوں نے اس قوم کے اندر اپنی محنت کی شمع روشن فرمائی اور اس میں اخلاص اور اللہ کے دین کا تیل ڈالا اور اپنے حسن اخلاق اور تہن من دھن کی بازی کی آگ سے اس شمع کو روشن کیا تو اس شمع سے جو دینی روشنی پھوٹی اس کے اثرات آج ساری دنیا کے اندر چمک رہے ہیں۔

مولانا الیاس صاحب لوگوں کو مزدوری کے طور پر لے آتے اور ان کو دین کی بات سمجھا کر اپنی جیب کی رقم



سے روزانہ مزدوری دیتے اور کئی دن تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ لوگوں کو پیسہ دے دے کر دین کی بات سمجھاتے۔ آپ کی اہلیہ محترمہ بھی بڑی دین پسند اور دینی تڑپ رکھنے والی خاتون تھیں۔ انہوں نے آپ کا خوب تعاون کیا۔ اپنے سارے زیورات کو دینی کام میں خرچ کرنے کے لیے وقف کر دیا۔ ان کی اس قربانی نے مولانا کو اور ہمت بخشی۔ بالآخر لوگوں کے ذہنوں میں بات بیٹھتی رہی اور دین کی سمجھ آتی رہی۔ میواتی لوگ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت جی کہہ کر بلاتے تھے۔ میواتیوں نے حضرت جی کی ہر ایک بات پر بلیک کہنا شروع کیا اور یہی قوم دین کی تبلیغ کے فریضہ کو آگے بڑھانے میں مولانا کی معاون و مددگار ثابت ہوئی۔

مولانا کی دینی محنت کی یہ ترتیب آج سارے عالم کے اندر رائج اور مشہور ہے۔ اس کو سمجھنے کے لیے آسان ترتیب یہ ہے کہ آدمی جس مقام پر بھی ہو اس جگہ کے لوگوں کو دین پر لانے کی فکر کرے۔ ہفتہ میں ایک مرتبہ مسجد کے مشورہ سے دو چار لوگ اپنے محلہ میں گشت کر کے لوگوں کو مسجد میں آنے کی دعوت دیتے ہیں اور ان کو اپنے ساتھ ہی لانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ پھر مسجد میں نماز کے بعد ان سے دینی سلسلہ کی بات، قبر، حشر و آخرت اور ایمان و رسالت کی بات کی جاتی ہے اور انہیں خود بھی اس سلسلہ میں تیار کیا جاتا ہے۔ جو جتنا وقت دے سکے اس کو قبول کرتے ہوئے دعوت کی محنت میں ان کو لگا دیا جاتا ہے۔ چلہ، چار ماہ، سہ روزہ اور عشرہ وغیرہ کی جماعتیں بنا کر ان میں خالص دین کی تڑپ، اللہ کی محبت، حضور اکرمؐ کے لائے ہوئے دین کو سارے عالم میں پھیلانے کی فکر اور ہر آدمی کو جہنم کے راستہ سے ہٹا کر جنت والے راستے پر لانے کی فکریں پیدا کی جاتی ہیں۔ آج اس کام کی برکت سے اور مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بنائی ہوئی محنت کی ترتیب سے سارے عالم کے اندر کئی لوگ راہ راست پر آگئے ہیں اور لوگوں میں ہدایت کی راہیں ہموار ہوئی ہیں اور ہورہی ہیں۔

اس کام کو دیکھ کر ایک بڑے اللہ والے نے ایک بہترین جملہ ارشاد فرمایا: مولانا الیاس نے یاس کو آس میں بدل دیا یعنی ناامیدی کو امید میں بدل دیا۔

دیکھیے ایک سچی طلب کے ساتھ شروع کی ہوئی محنت کو اللہ نے کیسے قبول فرمایا اور ایک آدمی کی محنت اور تڑپ کو ذریعہ بنا کر بے شمار لوگوں کو راہ راست پر آنے اور اس پر جسے رہنے کی توفیق دی۔ اس محنت میں مولانا کے



ساتھ ساتھ ان کی اہلیہ کی قربانی اور حوصلہ افزائی کا بھی بڑا دخل ہے۔ اس لیے ہمیں بھی چاہیے کہ ہم بھی اپنے اندر
دینی تڑپ پیدا کریں اور انسانیت کی بھلائی کے لیے وہ کارہائے نمایاں انجام دیں جس سے ہمارا نام بھی ہمارے
مرنے کے بعد روشن رہے اور اس دعوتی محنت میں اپنے آپ کو شریک کریں تاکہ سارے عالم میں ہدایت کے
پھیلنے میں ہمارا بھی تعاون رہے اور ہم بھی لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بن جائیں۔ اللہ ہم کو عمل کی توفیق عطا
فرمائے۔ آمین



کوئٹہ پبلی جیا شنکر تلنگانہ کے نظریہ ساز

تلنگانہ کے نظریہ ساز مشہور شخصیت جیا شنکر (6 اگست 1936) ضلع ورنگل کے منڈل آتما کور کے موضع اکم پیٹ میں پیدا ہوئے۔ انہیں تلگو، اردو، ہندی، انگریزی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ انہوں نے اپنی تمام زندگی تلنگانہ تحریک کے لیے وقف کر دی۔ ساری عمر برہما چاری کی طرح رہے۔ معاشیات میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ بہ حیثیت پرنسپل رجسٹرار کے طور پر خدمات انجام دیتے ہوئے کاکتیاہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی بنے۔ 1969ء کی تلنگانہ تحریک اور اس سے پہلے غیر ملکی تحریک میں عملی حصہ لیا۔



تلنگانہ راشنریہ سمیٹی کے قیام میں کے چندر شیکھر راؤ کے صلاح کار اور رہنما کے طور پر اپنا بھرپور حصہ ادا کیا۔ علاحدہ تلنگانہ کی ضرورت کے موضوعات پر کئی کتابیں لکھی۔ ان کا دیرینہ خواب تھا کہ وہ علحدہ تلنگانہ کو اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھیں مگر تلنگانہ تحریک کے اس جہد کار نے تلنگانہ کی تشکیل سے پہلے 21 جون 2011 کو آنکھیں موند لی۔

بچپن

پروفیسر جیا شنکر 6 اگست 1936ء کو ورنگل کے منڈل آتما کور کے موضع اکم پیٹ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام لکشمی کانت راؤ، ماں مہا لکشمی تھا۔ ان کے تین بھائی اور تین بہنیں تھیں۔ پروفیسر جیا شنکر ان کی والدین کی دوسری اولاد ہیں۔ ازدواجی زندگی کی تعمیر کے بجائے کنورا (برہما چاری) رہنے کو ترجیح دی اور ساری عمر تلنگانہ تحریک کے لیے وقف کر دیا۔



ملازمت.....

بنارس، علی گڑھ یونیورسٹیوں سے معاشیات میں ڈگری حاصل کرنے کے بعد عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد سے پی ایچ ڈی کی۔ سی ایم کے کالج ورنگل میں 1975ء تا 1979ء بہ حیثیت پرنسپل کام کیا۔ 1979ء تا 1981ء کے دوران کاکتیاہ یونیورسٹی کے رجسٹرار کے طور پر 1982ء تا 1991ء CIEFIL رجسٹرار اور 1991ء تا 1994ء کاکتیاہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر کے طور پر خدمات انجام دی۔

معلم کی حیثیت.....

معلم کے طور پر انہوں نے کئی طلباء کی بہترین رہنمائی کی اور بہترین شخصیت کی تعمیر میں اہم رول ادا کیا۔ پیشہ کے لحاظ سے اور تحریک تلنگانہ کے جہد کار کی طور پر مثالی خدمات انجام دی۔ ایمر جنسی کے دور میں وہ سی کے ایم کالج کے پرنسپل تھے۔ اس زمانے میں سی کے ایم کالج کی شناخت انقلابی طلباء تحریک کے مرکز کے طور پر ضلع ورنگل میں پائی جاتی تھی۔ انقلابی شاعر و اورار او، سی کے۔ ایم کالج میں استاد تھے۔ ان کو حکومت کی گرفتاری سے پروفیسر جیا شنکر نے بچایا۔ معلم کے طور پر ہنمکنڈہ کو Multi Purpose اسکول میں تنگو پڑھائی۔ ایک معلم کے لیے اپنے طلباء کو پہچانا عام بات ہے۔ مگر ان کو نام سے شناخت کرنا پروفیسر جیا شنکر کا ہی حق تھا۔ ممتاز ادیب راماشاستری کا کہنا ہے کہ گذشتہ 35 سال سے ان کے روابط مسلسل رہے ہیں۔ جیا شنکر کے طالب علموں کی بڑی تعداد ملکی اور غیر ملکی سطح پر نمایاں خدمات انجام دے رہی ہے۔ ان کے شاگردوں میں کاکتیاہ یونیورسٹی کے سابق پروفیسر این لنگا مورتی، پروفیسر کورا پائی وینکٹ نارائنا اور پروفیسر کے سیتارا ماراؤ وغیرہ ہیں۔

تلنگانہ تحریک میں حصہ.....

1969ء کی تلنگانہ تحریک میں حصہ لیا۔ 1952ء کی غیر ملکی تحریک (نان ملکی) میں سائبر اڈلی گویاگ تحریک میں شامل رہے۔ تلنگانہ میں آندھرا کے علاقہ کی شمولیت کی مخالفت کرتے ہوئے طلباء قائد کے طور پر 1954ء میں فضل علی کمیشن کو یادداشت پیش کی۔ ملک کے کئی مقامات اور دیگر ملکوں میں بھی تلنگانہ کی تشکیل اور ضرورت کے موضوع پر لکچر دیے۔ پروفیسر جیا شنکر نے اپنی جائیداد اور زندگی کو تلنگانہ کے نام کر دیا۔ وہ اکثر کہا



کرتے تھے ”اب تو ایک ہی خواہش ہے، تلنگانہ دیکھنا اور مر جانا۔“

تلنگانہ تحریک کو گلی سے دلی سے اور دلی سے امریکہ تک وسعت دینے میں ان کا ناقابل فراموش کردار رہا ہے۔ جیا شنکر نے طالب علمی کے دور سے ہی تلنگانہ میں جاری نا انصافی اور عدم مساوات کے خلاف آواز اٹھائی۔ اس دور میں جب اظہارِ ماضی الضمیر کی آزادی پر چہرے تھے۔ 1954ء میں پروفیسر جیا شنکر نے وشال آندھرا قرار داد کی مذمت کی۔ وشال آندھرا قرار داد کی مخالفت کرتے ہوئے پہلے ایس آرسی کمیشن کے سامنے حاضر ہو کر تلنگانہ کی پرزور حمایت کی۔

1969ء تلنگانہ کے مسائل و واقعات پر قلم اٹھانا روز کا معمول بنا لیا تھا۔ تلنگانہ کے قریہ قریہ میں انہوں نے تحریک تلنگانہ کی روح بیدار کی۔ تلنگانہ کا کوئی مقام ایسا نہ ہوگا جہاں تک جیا شنکر نے رسائی حاصل نہ کی ہو۔ قومی، بین الاقوامی سطح پر یونیورسٹی کے اجلاسوں میں انہوں نے تلنگانہ کے ساتھ ہونے والی نا انصافی کے خلاف آواز اٹھائی اور کہا کہ اس نا انصافی کو دور کرنے کے لیے تلنگانہ کا قیام ضروری ہے۔

آخری بات..... مستقبل کا تلنگانہ.....

مستقبل کے تلنگانہ میں ترقی تیز رفتاری سے ہوگی۔ پانی کی تقسیم میں اپنا حصہ قرار پانے کے بعد استعمال میں آزادی حاصل رہے گی۔ ہماری حکمرانی رہے گی۔ دوسروں کے اقتدار کا خاتمہ ہوگا۔ بڑے پرچکوں کو کچھ دیر حاشیہ میں رکھ کر..... نظام کے دور حکومت میں پائے جانے والے زنجیری تالابوں کا احیاء عمل میں لایا جانا چاہیے۔ عمد آن تالابوں کی طرف توجہ نہیں دی گئی۔ تلنگانہ حاصل ہونے کے بعد سب سے پہلے ان تالابوں کا احیاء عمل میں لایا جائے۔ تمام تالابوں کا احیاء ممکن نہ ہو..... مگر ان کی تعمیر و مرمت کی طرف توجہ دی جائے تو دیہی نظام سرسبز و شاداب بن جائے گا۔ نظام کے دور حکومت میں تعلیم اور صحت دونوں مفت حاصل تھے۔ مگر ارباب اقتدار نے انہیں تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ ارباب اقتدار کا کہنا ہے کہ انہوں نے یہاں ترقیاتی کام کیے۔ ان سے پوچھیے! کیا انہوں نے کوئی دو خانہ یا کالج یہاں تعمیر کیا۔ خاص کر وسائل کی برابری کے واقعات کو وہ اکثر دکھ بھرے لہجہ میں بیان کرتے۔ اس کے علاوہ ارباب اقتدار یہاں کی زبان، تہذیب کی تباہی کا بھی باعث



بنے۔ مستقبل کے تلنگانہ کے وہ بڑے بڑے خواب دیکھا کرتے تھے۔ ان کی زبان میں.....

1952ء میں مخالف و شمال آندھرا تحریک شروع ہوئی۔ میں اس وقت ورنگل میں انٹرمیڈیٹ میں تھا۔ 1948-52ء کے دوران وہ لوگ ملازمتوں کے سلسلے میں یہاں آ کر بسے۔ تلنگانہ والوں کو انگریزی نہیں آتی۔ یہاں کمیونسٹ خیالات زیادہ پائے جاتے ہیں۔ یہ مرکزی حکومت کا خیال تھا اس لیے مرکز نے تلنگانہ کے علاقہ میں آندھرا والوں کی ملازمتوں میں بھرتی عمل میں لائی۔ یہاں آ کر بسنے والے ہماری تضحیک کیا کرتے تھے۔ ایادپورا کالیفور او نامی ایک فرد کو ورنگل بلا کر تقریر کروائی گئی۔ اس شخص نے تلنگانہ والوں کی مخالفت کی، ہم تمام طلباء نے اس وقت زبردست احتجاج کیا۔ ضلع کلکٹر، پولیس بھی آندھرا والوں کی تھی۔ لہذا طلباء پر لٹھی چارج کیا گیا۔ اس وقت مجھ پر بھی پولیس کی لٹھیاں ٹوٹی۔ تلنگانہ این جی اوز، اساتذہ نے آندھرا والوں کی تذلیل کو نہ برداشت کرتے ہوئے حیدرآباد میں ایک اجلاس منعقد کیا۔ ورنگل سے میں بھی اجلاس میں شرکت کے لیے روانہ ہوا۔ مگر راستے میں بس بھونگیہ کے مقام پر فیل ہو گئی۔ اس دوران یہ خبر موصول ہوئی کہ افضل گنج میں پولیس فائرنگ کی وجہ سے 7 طلباء ہلاک ہو گئے۔ اگر میں بھی اس اجلاس میں شرکت کیا ہوتا تو شاید میں بھی شہید طلباء میں ہوتا۔ مگر قسمت نے دعا دیا۔ جی کر کیا کریں..... تہذیب کو داغدار کر دیا گیا۔

تلنگانہ زبان کو خط ملط کر دیا گیا۔ 1970ء میں چندھیال پاپیاشاستری نامی ایک بڑے شاعر نے یہاں تک لکھ دیا کہ تلنگانہ کی تشکیل عمل میں آنے پر یہ علاقہ جنوبی پاکستان بن جائے گا۔ یہی نہیں بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ..... تلگو کی مٹی پلیدی جا رہی ہے۔

تمہاری زبان ترکوں کی ہے۔ زبان کا مذہب نہیں ہوتا۔ مذہب کی زبان ہوتی ہے۔ ہماری ترکوں کی زبان کیوں کر ہوئی؟ میں نے اپنی تعلیم اردو ذریعہ تعلیم سے حاصل کی ہے۔ سیما آندھراؤں کی شاعری میں استعمال ہونے والے الفاظ پیزار پنکھا، جھنڈا، الفاظ اردو زبان کے ہی ہیں۔ اسی طرح سری سری (شاعر) نے کئی اردو

الفاظ کو اپنی شاعری میں استعمال کر کے زبان کو مالا مال کر دیا۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ.....

سیما آندھرا والوں کی جانب سے استعمال کیے جانے والے الفاظ اردو کے ہی ہیں یہ اس سے وہ ناواقف



ہیں اس لیے ہر کسی کو اپنی زبان پیاری ہوتی ہے۔

یکم نومبر 1956ء ایک کینسر.....

کینسر نے موت کی شکل میں ان کی زندگی چھین لی مگر متحدہ آندھرا میں زندگی کا ایک ایک لمحہ انہیں کینسر کی شکل میں پیچھا کرتا رہا۔ جیا شنکر ایک عام آدمی ہیں۔ وہ مکمل تلنگانہ کا سپوت۔ تلنگانہ تحریک میں روح پھونکنا اور ہر لمحہ جدوجہد کی۔ ان کے حوصلے بہت مضبوط تھے۔

ہاں! ان کی موت کینسر کی وجہ سے ہوئی۔ مگر متحدہ آندھرا میں زندگی گزارنا ان کے لیے کینسر سے کم نہیں تھا۔ ایک واقعہ کے ذریعہ ان کے کرب کو سمجھا جاسکتا ہے۔ وہ نظام کا دور حکومت تھا انہیں بہ حیثیت مدرس ملازمت کی تقرری کے احکام موصول ہوئے۔ وہ بہت خوش تھے۔ ملازمت کی خوشی انہوں نے دوست و احباب کے ساتھ تقسیم کی۔ ملازمت میں شرکت کے لیے پہنچے تو متحدہ آندھرا ریاست قائم ہو چکی تھی۔ ٹھیک ہے! فرائض کی انجام دہی کے لیے رجوع ہوئے تو بتایا گیا کہ تنخواہ کی اسکیل تبدیل ہو گئی ہے۔ کیوں، کس لیے؟ استفسار پر کہا گیا کہ مسٹر جیا شنکر یہ تمہارے نظام کی حکومت نہیں ہے۔ حکومت آندھرا پر دیش ہے۔ خیال رہے انہیں یہ بات بہت ناگوار گذری۔

پروفیسر جیا شنکر سے نہایت ذلت آمیز لہجہ میں کہا گیا کہ ملازمت کرنا ہے تو کرو ورنہ دفع ہو جاؤ۔ اس جملے نے جیا شنکر کی عزت نفس کو زخمی کر کے رکھ دیا۔ ابھی انہوں نے یہ بھی نہیں کہا تھا کہ یہ نا انصافی ہے۔ آندھرا والوں کا رویہ تضحیک آمیز بن گیا تھا۔ انہیں ایک کیڑے کوڑے کی طرح سمجھ کر پریشان کیا جاتا رہا۔ اس کے بعد ان کی آنکھیں کھل گئی۔ وہ سوچنے لگے کہ کیا یہ لوگ وہی ہیں جو ہم سے مل کر رہنے کی بات کر رہے تھے۔ ہمارے علاقہ میں غیروں جیسا سلوک کیوں کیا جا رہا ہے؟

آندھرا والوں کی تنخواہوں میں اضافہ اور ہماری تنخواہوں میں کمی کی وضاحت کرنے کے بجائے کہا جا رہا ہے کہ ملازمت کرنی ہے تو کرو، ورنہ دفع ہو جاؤ۔ یہ انداز گفتگو جیا شنکر کو سوچنے پر مجبور کر دیا۔ تلنگانہ سپوت کے طور پر سب سے پہلے یہیں پر ہی ان کی عزت نفس مجروح ہوئی تھی۔ یہ شروعات



تھی اس کے بعد یہ سلسلہ واران کے سامنے آتے رہے۔

اس دن جیاشنکر کو احساس ہوا کہ متحدہ آندھرا پردیش کی تشکیل کے بعد تلنگانہ والوں کو پتہ نہیں کتنے زخم سہنے پڑیں گے۔ جیاشنکر کا کہنا تھا کہ تلنگانہ کی تشکیل کے بعد ہم اپنے وسائل، رقم تلنگانہ کی ترقی کے لیے استعمال کر پائیں گے۔ سب سے اہم امر یہ ہے کہ..... اس علاقہ میں عوامی تہذیب کو حکومت نے تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ عوامی تحریکوں کو کچل کر خوف کا ماحول پیدا کیا۔ اس لیے ضروری ہے کہ تلنگانہ کی تشکیل کے بعد عوامی تہذیب کا احیاء کیا جائے۔ یہ کام ہو سکے تو دوسرے کام خود بخود پاسکیں گے۔

تلنگانہ میں یہ تمام ممکن ہے..... کیونکہ تلنگانہ کے عوام میں شعور ہے۔

روزنامہ ”نمستے تلنگانہ“ کی اجرائی سے ایک ہفتہ پہلے.....

روزنامہ ”نمستے تلنگانہ“ کے ایڈیٹر الم نارائنا کا خیال تھا کہ اخبار کے پہلے شمارہ میں پروفیسر جیاشنکر کا انٹرویو شائع کیا جائے۔ جیاشنکر سے بات کرنا تحریک کو جاننا تھا۔ اسی خوشی و مسرت سے انہیں فون کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ علالت کے سبب ممکن نہیں ہے مگر اصرار پر انٹرویو دینے کے لیے راضی ہو گئے۔

حبشی گوڑہ، ہرٹک نمبر 5 کے کانگریٹ ہارمونی اپارٹمنٹ کے پانچویں منزل پر پروفیسر جیاشنکر کا آشیانہ تھا۔ وہاں سے تحریکات کا مرکز عثمانیہ یونیورسٹی دکھائی دیتی تھی۔ یہی منظر کشی جب پروفیسر جیاشنکر سے کئی گئی تو انہوں نے کہا کہ عثمانیہ یونیورسٹی کو جب بھی دیکھتا ہوں تو تلنگانہ کے سپوت کی حیثیت سے میرا سیدہ فخر سے پھول جاتا ہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی کئی تحریکات کے لیے مرکز ثابت ہوئی ہے۔ سب کو عثمانیہ یونیورسٹی میں درخت نظر آتے ہیں۔ مگر ان درختوں میں مجھے تلنگانہ کے لیے شہید ہونے والے طلباء دکھائی دیتے ہیں۔ مجھے ان کو دیکھ کر دکھ بھی ہوتا ہے۔ تلنگانہ کے چار کروڑ عوام کے دلوں میں جگہ بنانے کی قسمت سب کو کہاں ملتی ہے۔ وہ امر ہیں.....

9 دسمبر کے دن جب تلنگانہ کی تشکیل کا اعلان ہوا تب طلباء کے چہروں پر چمک دیکھنے کے قابل تھی۔ تلنگانہ کی تشکیل کا جشن آج بھی میری آنکھوں میں ہے۔ مگر ان کے مستقبل کے خوابوں کو کس نے چکنا چور کیا تھا؟ ان کی امیدوں سے کھیل کر ان کی لاشوں پر عہد کرنے والے سیاسی قائدین کو ان کی کیا



بد دعائیں نہیں لگیں گی۔ کہتے ہوئے جذباتی ہو گئے۔

انتقال.....

آپ جو کر سکتے تھے وہ آپ نے کیا۔ اس وقت میں یہاں نہیں رہ سکتا۔ میں ورنگل جانا چاہتا ہوں۔ مجھے ورنگل بھیجے۔ پیدائشی مقام کو یاد کرتے ہوئے انہوں نے اپنی موت سے ٹھیک ایک ہفتہ پہلے دواخانہ میں ڈاکٹروں سے کہا: گھر لانے کے بعد بھی ڈاکٹروں نے ان کے گھر میں ہی علاج معالجہ کرتے رہے۔ 21 جون بروز منگل کی صبح کی ساعتوں میں ان کی نبض دھیمی پڑ گئی۔ ڈاکٹروں نے آکسیجن لگایا۔

ہمارے وسائل ہمارے ہیں۔ ان پر اقتدار بھی ہمارا ہی ہونا چاہیے۔ ہمارا اقتدار والا تلنگانہ ہم کو ملنا چاہیے۔ ہمارا تلنگانہ ہمیں چاہیے.....!! گذشتہ 50 سالوں سے یہی آس و امید..... یہی سانسیں..... یہی مقصد..... یہی زندگی اس میں ہی موت!

21 جون 2011ء کی صبح 11:30 بجے انہوں نے آخری سانس لی۔

سوگ.....

پروفیسر جیا شنکر کے انتقال پر 3 دن کا سوگ عوامی تنظیموں نے متحدہ مجالس عمل کے چیرمین پروفیسر کوڈنڈارام کی جانب سے اعلان پر تمام تلنگانہ کے عوام نے منایا ہے۔ پروفیسر کوڈنڈارام نے ہنمکنڈہ میں ان کے جسد خاکی کا دیدار کر کے اظہار تعزیت پیش کیا۔ انہوں نے اس دن عوام سے اپیل کی کہ اس دن تلنگانہ میں سیاہ جھنڈیاں لہرائیں اور موم بتیاں روشن کر کے خراج عقیدت پیش کریں اور کہا کہ عوام تعزیت کے اظہار کے لیے جو بھی طریقہ اختیار کرنا چاہیں وہ کریں۔

اگر وہاں موجود نہ ہوتا تو..... امر ہو جاتا.....

ارباب اقتدار کی جانب سے نسل در نسل تلنگانہ کے ساتھ ہونے والی نا انصافی کو کئی کئی گھنٹوں تک بیان کرنے کا حوصلہ و جگر صرف پروفیسر جیا شنکر ہی کا تھا۔ پانی، روزگار، تعلیم، تہذیب وغیرہ کوئی بھی موضوع ہو وہ اس کا حق ادا کرتے تھے۔ آج وہ کینسر کی وجہ سے موت کی آغوش میں پہنچے ہیں تو جھوٹی بات ہے مگر انہوں نے تلنگانہ میں ارباب اقتدار کی جانب سے قدم قدم پر نا انصافی، لالٹھیاں برسانا، گولی، آخر کار حال ہی میں ان کے سامنے



بچے موت کو گلے لگا رہے تھے۔ یہ سب دیکھتے ہوئے ان کا زندہ رہنا ان کے لیے بہت بڑی بات تھی۔ زندگی کا سفر ان کے لیے اجیرن بن گیا تھا۔

کینسر ہو سکتا ہے ان کے جسم کو کل پرسوں تکلیف پہنچائی ہو۔ مگر شعور کی منزل سے تلنگانہ کے ساتھ ہونے والی نا انصافی کو دیکھ کر ان کا دل جو تڑپا ہے وہ مرحلہ کینسر کی تکلیف سے زیادہ دلبرداشتہ ثابت ہوا ہے۔ ارباب اقتدار کی جانب سے روارکھی جانے والی نا انصافی نے انہیں ایک خواب دیکھنے پر مجبور کیا۔ وہ خواب تھا ”علاحدہ تلنگانہ“ اس کے لیے انہوں نے نظریہ ساز کے طور پر اپنی تمام ذہانت کام میں لائی۔ خود بھی راست طور پر تحریک میں حصہ لیا۔ سیاسی پارٹیوں کو جغرافیائی تلنگانہ کی تائید کے لیے ہم نوا بنالیا۔ کالو جی نے ”ناگوڈوا“ (میری لڑائی) کتاب لکھی۔ انہوں نے میری لڑائی کی تلنگانہ کی لڑائی میں بدل دیا۔ تلنگانہ ریاست..... ایک مطالبہ نامی کتاب لکھی۔ حقیقت میں جیا شنکر ایک عام آدمی ہیں۔ مگر ان کی موت پر تلنگانہ کی ہر آنکھ نے آنسو کے دریا بہائے ہیں۔ کیوں؟ کیوں کہ انہوں نے ایک عرصہ سے تلنگانہ کے لیے جدوجہد کی۔ عوام کو متحرک کیا۔ انہیں راستہ دکھایا۔ ذلت، تضحیک، نا انصافی، ظلم و جبر سے نجات حاصل کر کے عزت سے زندگی گزارنے کی طرف عوام کی رہنمائی کی۔ تلگو والے جغرافیائی طور پر اگر چیکہ تقسیم ہو رہے ہیں مگر بھائی بھائی کی طرح مل کر رہنے کی امید رکھنے والے عظیم رہنما پروفیسر جیا شنکر ہیں۔



ایثار

امی جان کہانی سنانے کے لیے تیار بیٹھی تھی۔ بس شوکت میاں کا راستہ دیکھ رہی تھیں کہ وہ آئیں تو کہانی کہنے لگیں اور شوکت میاں تھے کہ اپنے کمرے میں بیٹھے معنی یاد کر رہے تھے۔ ایثار معنی عربانی۔ ایثار معنی قربانی۔ آخر ہم سب سے نہ رہا گیا۔ سب سے پہلے سدو میاں نے کہا ”امی جان! شوکت بھائی آئیں چاہے نہ آئیں۔ آپ کہانی سنائیے۔“ پھر مدو نے کہا اس کے بعد صفور قو اور گلگوبی اور گڈو بی نے بھی اکتا کر کہا۔

”اے امی جان! آپ کیسے بی کیانی۔“

امی جان نے شوکت کو پکارا۔

”آیا امی جان!“ اور یہ کہہ کر وہ آگئے۔ امی جان نے پوچھا ”کیا یاد کر رہے تھے؟“

”معنی یاد کر رہا تھا۔“

”کس لفظ کے معنی؟“

”ایثار کے معنی۔“

”تو سمجھ گئے ایثار کسے کہتے ہیں؟“

”جی ہاں! ایثار کے معنی قربانی!“ ”کیا مطلب؟“

”مطلب و طلب تو میں جانتا نہیں۔ ماسٹر صاحب نے یہی معنی لکھا دیئے، وہی میں نے رٹ لپیئے۔“

”لفظ کے بدلے لفظ رٹ لینے سے معنی سمجھ میں نہیں آتے۔ لو میں سمجھاتی ہوں۔“

امی جان سے یہ سنا تو ہم نے کہا ”امی جان! شوکت میاں کو پھر پڑھائیے گا۔ ہمیں تو کہانی سنائیے۔ نہیں ہم تو ہم جا کر سوتے ہیں۔“ یہ کہہ کر صفو باجی اٹھنے کو تھیں کہ امی جان نے کہا۔ کہانی کہہ کر ہی تو سمجھاؤں گی،۔ بڑے مزے کی کہانی ہے اور پھر سچی کہانی۔“

”سچی کہانی!“ ہم سب چپ ہو کر بیٹھ گئے اور امی جان کا منہ نکلنے لگے۔ امی جان نے اس طرح کہانی شروع کی:

”ہمارے بزرگوں میں ایک بزرگ تھے حضرت واقدیؓ۔ واقعہی بہت بڑے عالم تھے۔ ان کو ہزاروں حدیثیں یاد تھیں۔ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو بہت محبت تھی۔ اسی لیے وہ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتوں پر عمل کرتے تھے۔

”عمل؟ عمل کیا کیا معنی ہیں۔ امی جان! شوکت میاں نے پوچھا۔

”عمل کے معنی اچھی باتیں کرنا جیسے حضور نے کوئی کام کرنے کو کہا ویسے ہی کرنا۔“

اچھا تو واقدیؓ حدیثوں پر عمل کرتے تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ پیارے نبیؐ دوسروں کو فائدہ پہنچا دیا

کرتے تھے۔ چاہے اپنے آپ گھائے میں رہیں۔“

”ارے وا! بڑے اچھے تھے پیارے نبیؐ۔ صفو باجی نے کہا اور ہم سب جھومنے لگے۔

”اسی کو ایثار کہتے ہیں۔ اپنے فائدے کو چھوڑ کر دوسروں کو فائدہ پہنچانا۔“

”لیکن سینی تو امی جان! یہ کہانی کب ہوئی؟ آپ نے تو کہانی سنانے کو کہا تھا۔“ سعید میاں اور رومیاں نے ایک ساتھ کہا:

”اچھا تو ایک دن ایسا ہوا۔ عید آنے والی تھی۔ حضرت واقدیؓ بڑے فیاض تھے۔“

”فیاض معنی؟“ شوکت میاں نے پوچھا۔

”ادھ! ان کو تو آج معنی یاد کرنے کی دھن ہے۔“ ہم سب جھنجھلا گئے۔

فیاض کے معنی اللہ کی راہ میں خوب ہی خیرات کرنے والے۔ دوسروں کو بڑی بڑی رقم دینے والے واقدیؓ

ایسے ہی تھے۔ وہ جو کچھ کماتے سب ضرور والے لوگوں کو دے دیتے۔ گھر میں بس یوں ہی پیسہ لاتے۔

اچھا تو عید قریب آئی۔ گھر میں تو کچھ رہتا نہ تھا۔ بیوی نے کہا۔

”سننے ہو عید آ رہی ہے۔“

”ہاں ہاں! مجھے معلوم ہے۔“

”معلوم کیا ہے، بچوں کے پاس کپڑے نہیں ہیں۔ وہ سب رو رہے ہیں۔“ اور یہ کہہ کر بیوی نے ذرا سختی سے

کہا کہ ان کے لیے نئے کپڑے بنا دو، نہیں تو عید کے دن سب خوشی منا رہے ہوں گے اور ہمارے گھر روٹا پڑے گا“



یہ سن کو واقدیؒ کو بھی خیال آیا مگر جیب میں ننھا پیسہ بھی نہ تھا۔ سوچنے لگے کہ کیا کریں۔ سوچے سوچتے یاد آیا۔ ان کا ایک دوست سوداگر ہے۔ بڑا مالدار بس دل میں کہا ”چلو اس سے کچھ رقم لے آئیں۔“ یہ سب کر چلے۔ سوداگر کے گھر پہنچے۔ اس سے ملے۔ سلام علیک کے بعد بیٹھے۔ سوداگر نے حال پوچھا۔ واقدیؒ نے سارا حال کہا۔

جس وقت سوداگر کے سامنے پیسوں سے بھری تھیلی رکھی تھی۔ اسی وقت دکان سے آئی تھی۔ اس نے کہا۔
”بھائی یہ تھیلی لے جاؤ۔“

حضرت واقدیؒ تھیلی لے کر چلے۔ اب دیکھو کہانی میں مزہ آئے گا۔ گھر آئے۔ بیوی کو تھیلی دی۔ اتنے میں ان کا ایک دوست ہاشمی آ گیا۔ وہ بہت پریشان تھا۔ اس نے بتایا کہ اس وقت رقم کی ضرورت ہے۔ گھر کی دیوار گر گئی ہے۔ بڑی بے پردگی ہو رہی ہے۔

یہ سنا تو واقدیؒ نے بیوی کہا ”تھیلی میں سے آدھی رقم رکھ لو۔ آدھی ہاشمی صاحب کو دے دو۔“
اب دیکھو مزے کی بات۔ بیوی تھی بڑی نیک۔ اس نے کہا ”آپ عالم ہیں۔ آپ کا دوست سوداگر عالم نہیں مگر اس نے پوری تھیلی دے دی اور آپ یہ ایثار نہیں کر سکتے! تو کیا کروں؟“
”پوری تھیلی ہاشمی صاحب کو دے دیجیے۔ اللہ مالک ہے۔“

واقدیؒ نے تھیلی ویسی کی ویسی ہاشمی صاحب کو دے دی اور پھر ویسے کے ویسے رہ گئے۔
”کیا کہانی ختم ہو گئی؟“ صفو نے کہا۔

”یہ کہانی تو کچھ زیادہ مزیدار نہیں۔ رفو نے کہا۔

”کوئی اور کہانی سنائیے۔“ سعید میا بولے۔

”ابھی تو کہانی باقی ہے۔ سنو تو مزہ تو اب آئے گا۔“

امی نے کہا ”اچھی بھئی۔ ہاشمی صاحب تھیلی لے کر چلے۔ کچھ ہی دور چلے تھے کہ راستے میں ہی سوداگر ملا جس سے واقدیؒ تھیلی لائے تھے۔ یہ سوداگر ہاشمی صاحب کا بھی دوست تھا۔ راستے میں سلام علیک ہوئی۔ ایک نے دوسرے کا حال پوچھا۔ سوداگر نے بتایا۔ میرا مال آیا پڑا ہے، اسے لینے جانا ہے۔ لیکن رقم کی سخت ضرورت ہے۔



بہت پریشان ہوں۔ اگر آج مال نہ اٹھایا تو دوسرے کے ہاتھ بک جائے گا۔“
 ”اچھا یہ بات ہے؟“ ہاشم صاحب نے کہا اور وہ تھیلی سودا گر کو دے دی!“
 ”واہ واہ وا“ ہم سب کہنے لگے۔ یہ خوب رہی۔ تھیلی ویسی کی ویسی پھر سودا گر کے پاس پہنچ گئی۔“
 ”اور دیکھیے تو سب نے ایثار کیا۔“ شوکت میاں بولے۔
 ”پھر کیا ہوا امی جان!“

”ابھی کہانی اور باقی ہے۔ آگے سنو گے تو بڑا مزہ آئے گا۔ پھر یہ ہوا کہ واقدی بغداد میں رہتے تھے۔ بغداد کے بادشاہ کا ایک وزیر تھا۔ وزیر واقدی کی بڑی عزت کرتا تھا۔ وہ بھی بڑا فیاض تھا۔ اس لیے یہ مزے دار واقعہ سنا۔“
 ”واقعہ؟ واقعہ کے معنی“ شوکت میاں نے پوچھا۔ ہم سب پر جھنجھلا گئے؟ انھیں تو کہانی سننا ہی نہیں ہے۔ بس معنی یاد کرنا ہیں۔

”واقعہ کے معنی جو بات ہو، سچی سچی!“ امی جان نے سمجھایا۔ اس کے بعد آگے سنانے لگیں۔
 وزیر نے واقدی کو بلایا۔ عزت سے بٹھایا۔ حال پوچھا۔ واقدی نے الحمد للہ کہا یعنی اللہ کا شکر ادا کیا۔
 وزیر نے کہا ”میں نے آج آپ کے ایثار کا قصہ سنا ہے۔
 ”وہ تو ٹھیک ہے۔ اللہ کا شکر ہے۔

”وزیر صاحب نے یہ سنا تو ایک ہزار کی دس تھیلیاں دیں اور کہا دو ہزار تو آپ تینوں دوست لے لیں۔ باقی رہے چار ہزار۔ یہ چار ہزار سے دیں جس نے سب سے زیادہ ایثار کیا ہو۔
 واقدی سوچنے لگے کہ کس نے سب سے زیادہ ایثار کیا۔“ ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو وزیر سے کہا ”بھائی!
 ہم سب نے برابر کا ایثار کیا۔“ وزیر نے کہا ”وہ ایک چوتھا شخص ہے۔“
 ”چوتھا شخص کون؟ واقدی نے پوچھا۔

”وہ ہیں آپ کی بیوی۔ انھوں نے سب سے زیادہ ایثار کیا۔ ایک ماں کو بچوں سے جو محبت ہوتی ہے وہ آپ جانتے ہیں۔ انھوں نے بچوں کی پروا نہیں کی۔ یہ چار ہزار ان کو جا کر دیتے۔
 ”واقدی صاحب خوش خوش گھر آئے۔ سب کو حصہ دیا اور پھر خوشی سے عید منائی۔



سادہ زندگی

بچو! سادہ غذا کھانے سادہ لباس پہننے اور اپنے رہنے سہنے کے طریقوں کو بھی سادہ بنانے کا نام سادہ زندگی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ”میں اور میری امت کے نیک بندے تکلیف سے بری ہیں۔“ خود آپ بھی سادہ زندگی کو بے حد پسند فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ کو جو کھانے کے لیے میسر آتا، وہ کھا لیتے، جو پہننے کے لیے ملتا، وہ پہن لیتے۔ آپ کبھی پر تکلف کھانے یا پر تکلف لباس کی خواہش نہ فرماتے۔ آپ اکثر جو کی روٹی اور کھجور کھا کر بسر فرماتے تھے۔

(۱) حضرت انسؓ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ حج کو تشریف لے گئے۔ میں نے دیکھا کہ جو چادر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر تھی۔ اس کی قیمت چار دہم یعنی (بارہ تیرہ آنے) سے زائد نہ ہوگی۔

حضور انورؐ کے رہنے کے مکانات بھی عالی شان نہ تھے بلکہ چند حجرے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا حجرہ صرف اس قدر تھا کہ جب حضورؐ کی نماز جنازہ کے لیے لوگ اندر داخل ہونے لگے تو دس آدمیوں سے زیادہ کی اس میں گنجائش نہ تھی۔

گھر میں ساز و سامان بھی برائے نام ہوتا تھا مثلاً حضرت حفصہؓ کے حجرے میں حضورؐ کے آرام فرمانے کے لیے ٹاٹ کا ٹکڑا تھا جس کو دو تہہ کر کے بچھا دیا جاتا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرے میں حضورؐ کا بستر چمڑ کا تھا جس کے اندر کھجور کے ریشے بھرے ہوئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ملنے جلنے کے طریقے بھی بالکل شادہ تھے۔ چنانچہ آپ تقیروں کے برابر بیٹھتے، صحابہ کے درمیان مل جل کر بیٹھ جاتے، غلاموں اور خادموں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا لیتے۔ بازار سے سودا خریدتے اور خود اٹھاتے۔ اپنے جانوروں کو خود چارہ ڈالتے۔ گھر کے چھوٹے چھوٹے کام بھی اپنے ہاتھ سے خود کر لیا کرتے۔

(۳) خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ بھی موٹے کپڑے استعمال فرماتے تھے۔ آپ کا دسترخوان بھی پر تکلف نہ ہوتا تھا۔ خلافت کے بعد یہ سادگی زیادہ ترقی کر گئی تھی۔ چنانچہ وفات کے وقت آپ نے اپنی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا: ”جب سے خلافت کا بار میرے سر پر پڑا ہے، میں نے معمولی غذا اور موٹے کپڑوں پر قناعت کی ہے۔ مسلمانوں کے مال میں سے میرے پاس ایک حبشی غلام ایک اونٹ اور اس پرانی چادر کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ میرے بعد یہ تمام چیزیں عمرؓ کے حوالے کر دی جائیں (جو آپ کے بعد خلیفہ ہوئے) دیگر خلفائے راشدینؓ کی بھی اسی طرح سادہ زندگی تھی۔

پیارے بچو!

دیکھو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کیسی سادہ تھی کہ غذا میں، لباس میں، طرز رہائش میں کسی چیز میں بھی تکلف نہ تھا۔ اسی طرح دیکھو کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ خلیفہ وقت تھے۔ چاہتے تو پر تکلف غذا کھاتے، پر تکلف لباس پہنتے، مگر آپ نے معمولی غذا اور معمولی لباس ہی کو پسند فرمایا۔

(۴) حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ خلیفہ ہونے کے بعد سادہ اور معمولی درجے کا کپڑا پہنتے تھے اور ان میں بھی پیوند لگے ہوتے۔ ایک بار قمیص کی گریبان میں میں آگے اور پیچھے دونوں طرف پیوند لگے ہوئے تھے۔ نماز پڑھا کے بیٹھے تو ایک شخص نے کہا کہ ”اے امیر المؤمنین خدا نے آپ کو سب کھ دیا ہے۔ کاش آپ عمدہ کپڑے پہنتے۔“ یہ سن کر آپ نے تھوڑی دیر تک گردن جھکالی پھر سر اٹھا کر کہا: ”میانہ روی مالدار کی حالت میں اور غنوو درگزر قدرت کی حالت میں بہتر ہے۔ سچ ہے امیر ہو کر غریبوں کی طرح زندگی بسر کرنا بڑی بات ہے۔

(۵) ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے یہاں ایک مہمان رات کو آیا۔ اس وقت آپ کچھ لکھ رہے تھے اور چراغ میں تیل نہ تھا۔ گل ہونے لگا۔ مہمان نے کہا آپ حکم دیں تو میں اس کو درست کر دوں۔ آپ نے فرمایا کہ مہمان سے خدمت لینا ٹھیک نہیں۔ اس نے کہا کہ خادم کو جگا دوں، آپ نے فرمایا کہ ابھی ابھی اس کی آنکھ لگی ہے۔ یہ کہہ آپ کو خود اٹھے اور کچی لے کر چراغ میں تیل ڈال دیا۔ مہمان نے کہا ”اے امیر المؤمنین! آپ ہی نے تکلیف فرمائی۔ آپ نے فرمایا ”جب میں تیل لینے گیا تھا جب بھی عمر ہی تھا۔ اب پھر



آیات بھی عمر ہی ہوں۔“

پیارے بچو! حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے مہمان کو کیا اچھا جواب دیا، ”جب میں تیل لینے کے لیے گیا تھا جب بھی عمر ہی تھا اور اب بھی عمر ہی ہوں۔“ اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر انسان اپنے گھر کا کام کاج خود کیا کرے تو اس کی عزت میں کچھ کمی نہیں ہوتی۔ اس لیے تم بھی اپنے گھر کے کام کاج کرنے میں کبھی اپنی ذلت اور کسر شان نہ سمجھو بلکہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی طرح جہاں تک ہو سکے ہر ایک کام اپنے ہاتھ سے کیا کرو اور جہاں تک ہو سکے کھانے میں، لباس میں، رہنے سہنے کے طریقوں میں سادگی برتو۔ پر تکلف لباس، پر تکلف سامانِ راحت کی حرص نہ کرو کیوں کہ جو شخص پر تکلف زندگی بسر کرتا ہے اس کو طرح طرح کی فکریں آگھیرتی ہیں اور وہ راحت و آرام سے نہیں رہ سکتا اور جو شخص سادہ زندگی بسر کرتا ہے وہ ہمیشہ سکھ چین سے رہتا ہے۔



مکاری یا سخاوت

کسی ملک میں ایک دولت مند بوڑھا رہتا تھا۔ وہ بہت رحم دل اور سخی تھا۔ ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرنا اور یتیموں و محتاجوں کی امداد کرنا اس کا معمول تھا۔ اپنی رحم دلی اور سخاوت کے سبب وہ شہر میں مشہور تھا۔ کوئی حاجت مند اس کے دروازے سے خالی ہاتھ نہ جاتا تھا۔

ایک دن کا ذکر ہے نوکر نے اسے اطلاع دی کہ ایک مہتر اس سے ملنے آیا۔ بزرگ شخص نے نوکر سے کہا ”اسے اندر لے آؤ مگر پوری عزت و احترام کے ساتھ کیوں کہ ادیب لوگ بڑے حساس اور نازک طبع ہوتے ہیں۔ معمولی سی بات پر دل برداشتہ ہو کر اس بات کا افسانہ بنا دیتے ہیں۔“

نوکر باہر گیا اور اس ادیب کو بری عزت کے ساتھ بزرگ کے پاس لے آیا۔ بزرگ نے بھی مصنف کی عزت کی اور احتراماً اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے ساتھ ہاتھ ملایا۔ پھر اسے اپنے سامنے بٹھا کر نوکر کو اس کی خاطر توضیح کرنے کی ہدایت کی۔ نوکر فوراً ہی شربت اور پھل لے آیا۔ ادیب نے شربت پیا اور پھل کھانے لگا۔ نوکر کے باہر جانے کے بعد بزرگ نے ادیب سے کہا۔

”فرمائیے ادیب صاحب اور کیا خدمت کی جائے آپ کی؟ آپ نے یہاں آ کر میری عمت افزائی کی ہے کیوں کہ آپ جیسے ادیبوں کے پاس لوگوں سے ملنے کا بہت کم وقت ہوتا ہے۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ نے مجھے شرف ملاقات بخشا ہے۔“

ادیب نے ٹھنڈا سانس لیا اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ یہ دیکھ کر بزرگ کو حیرت ہوئی۔ اس نے پوچھا:

”آپ کیوں رورہے ہیں جناب؟ میری بات سے آپ کدکھ پہنچا ہے تو معافی چاہتا ہوں۔“

ادیب نے آنسو بہاتے ہوئے کہا: ”جناب! میں بہت پریشان ہوں۔ غربت کے باعث ایک ظالم شخص کا قرض دار ہوں۔ میں نے اس شخص کے بئیس درہم دینے ہیں اور وہ رقم کا تقاضا کر رہا ہے۔ تقاضا کرنے میں وہ اتنا سخت مزاج ہے کہ اس کے بئیس درہم میرے لیے بئیس من کے برابر بھاری ہیں۔ وہ اپنی رقم کی واپسی کا تقاضا



کرنے کے لیے کسی جن کی مانند میرے سر پر سوار رہتا ہے اور میرا تعاقب کرتا رہتا ہے۔“

”آپ نے ایسے آدمی سے قرض لیا ہی کیوں؟“ بزرگ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”بس کیا بتاؤں جناب! بہت مجبوری تھی۔“ ادیب نے ٹھنڈا سانس لیتے ہوئے کہا ”مگر اس وقت مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ قرض کی وصولی میں اتنی سختی کرے گا۔ اب میں رات دن پریشان رہتا ہوں۔ اس کے سحت رویے اور بے ڈھنگے مطالبے سے میرا دل جل کر رہ گیا ہے اور اس میں دراڑیں پڑ گئی ہیں۔“

”حیرت ہے۔ بیس درہم تو نہایت معمولی رقم ہے۔ بزرگ نے کہا۔

”جی ہاں! مگر وہ ظالم اس معمولی رقم کی واپسی کے لیے اتنا شدید تقاضا کرتا ہے جیسے اپنی ساری زندگی میں اس نے صرف یہی رقم دیکھی ہے۔ میں نے اسے کئی حدیثیں سنائی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض کی وصولی کے لیے سختی کرنے سے منع فرمایا ہے لیکن اس کے کان پر جوں تک نہیں رہینگے۔ اسے دین و مذہب سے بھی کوئی واسطہ نہیں ہے۔ بہت بے رحم آدمی ہے۔“

”اصول تو یہ ہے کہ اگر قرض دار، قرض کی رقم واپس کرنے سے معذور ہو تو اس کا قرض معاف کر دینا چاہیے۔“ بزرگ نے کہا۔

”معاف!“ ادیب نے منہ بنا کر کہا ”ارے جناب! معاف کرنا تو دور کی بات ہے، وہ تو دھونس دھمکی سے بھی گریز نہیں کرتا۔ رقم مانگتے آتا یہ تو پھر واپس جانے کا نام نہیں لیتا۔“

”وہ کیسے؟“ بزرگ نے حیرت سے کہا۔

ادیب کہنے لگا ”نما س نے معمول بنا لیا ہے کہ ہر صبح سورج طلوع ہوتے ہی میرے گھر کے دروازے پر آجاتا ہے اور آتے ہی دستک دینا شروع کر دیتا ہے۔ پڑوسیوں میں میری بدنامی کرتا ہے اور میں شرم کے مارے سے ملاقات تک نہیں کرتا۔“

اس کے بعد ادیب نے نہایت دکھ بھرے لہجے میں کہا ”بزرگوار میں اس سخت مزاج قرض خواہ کے تقاضوں اور بدسلوکی سے نہایت پریشان ہوں اور کسی ایسے مہربان سخی کی تلاش میں ہوں اور جو میری امداد کرے اور مجھے اس کا قرض ادا کرنے کے لیے بیس درہم عنایت کر دے۔“



اس نے غریب اور مجبور ادیب کی بات سن کر بزرگ کو اس پر رحم آیا اور اس نے ادیب کو بیس درہم کی بجائے چالیس درہم دے دیئے۔ وہ مصنف درہم لے کر ایسا بھاگا کہ پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔ اسی لمحے بزرگ سے ملاقات کے لیے آنے والے شخص نے ادیب کو درہم ہاتھ میں لے جاتے ہوئے دیکھ لیا۔ وہ آدمی ادیب کو جانتا تھا۔ اس نے بزرگ سے ملاقات کے دوران پوچھا کہ اس نے ادیب کو درہم کس وجہ سے دیئے ہیں۔ بزرگ نے جواب دیا۔

”وہ بے چارہ ایک غریب ادیب ہے۔ کسی سخت آدمی کا قرضہ واپس کرنا تھا اسے۔“

ملاقاتی نے بمرگ کا جواب سنا تو ہنس دیا۔ پھر کہنے لگا:

”شاید آپ کو پتہ نہیں کہ وہ شخص کتنا جھوٹا اور مکار آدمی ہے۔“

”اچھا مجھے معلوم نہ تھا۔ میرے لیے وہ اجنبی تھا۔ البتہ میں نے اس کا نام سن رکھا تھا۔“ بزرگ نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ”جی ہاں! میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ غریب شخص بڑے بڑوں کو اپنے آنسوؤں سے رام کر لیتا ہے اور ماہر قسم کے شطرنج بازوں کو بھی مات دے دیتا ہے۔ اس نے یہ کاروبار بنا رکھا ہے کہ لوگوں کو اپنے دکھ کی جھوٹی کہانیاں سنا کر ان سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اس نے آپ سے جو کچھ کہا وہ سراسر جھوٹ اور من گھڑت قصہ تھا۔“ ملاقاتی کی بات سن کر بزرگ خفا ہو گئے۔ انھوں نے ملاقات سے کہا:

”سنو! اگر تمہیں بولنا نہیں آتا تو میری بات سننے کی ہی کوشش کر۔ اس ادیب نے جو کچھ کہا اگر وہ سچ ہے تو میں نے مخلوق سے اس کی عزت بچالی اور اگر جھوٹ ہے تو اس کی زبان سے میں نے اپنی عزت و آبرو بچالی کیوں کہ اگر میں اس کی مدد نہ کرتا تو وہ میرے خلاف لوگوں سے باتیں کرتا اور میری نیک نامی خطرے میں پڑ جاتی۔“

ملاقاتی نے حیرت سے کہا ”مگر جناب! ایک برے اور دھوکے باز کی امداد کرنا جائز نہیں ہے۔“

”نہیں! ہمیں اچھے برے کی تمیز کیے بغیر لوگوں کی مدد کرتے رہنا چاہیے کیوں کہ اگر وہ اچھا ہے تو اس کی مدد کرنا نیک کام ہے اور اگر وہ برا ہے تو اس کی امداد کر کے سخی اس کے شر سے بچ سکتا ہے۔“

سبق: سخاوت یہ ہے کہ کسی کے اچھے برے کردار کو دیکھے بغیر اس کی امداد کرنی چاہیے۔ اس کی اچھائی برائی پر نگاہ رکھنا قدرت کا کام ہے۔



محنت کا صلہ

اٹھو جاوید کیا پرہنے نہیں جاؤ گے؟ چھ نچ چکے ہسے اور تم ابھی تک سو رہے ہو۔ جاوید کی امی نے اس کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ جاوید جلدی سے اٹھ بیٹھا اور اسکول جانے کی تیاری کرنے لگا۔ اس نے جلدی جلدی ناشتہ کیا اور پھر بستہ اٹھا کر اسکول چل دیا۔

جاوید اپنی ماں کا کلوتا اور نہایت شریف لڑکا تھا۔ اس کے والد شہر کی ایک بڑی سرکاری فیکٹری میں انجینئر تھے۔ ایک دن اچانک ہی اس فیکٹری میں آگ لگ گئی۔ اس سے پہلے کہ لوگ آگ پر قابو پاتے، وہ دیکھتے ہی دیکھتے ہی پھیل گئی اور اس نے پوری فیکٹری کو ہی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس حادثے میں جاوید کے ابو انجینئر حارث صاحب بھی ختم ہو گئے اور گھر کی دیگر ذمہ داریوں کے ساتھ ہی جاوید کی پرورش کی ذمہ داری بھی اس کی امی پر آ پڑی۔ وہ بے چاری نہایت ذمہ داری کے ساتھ جاوید کی پڑھائی پر توجہ دے رہی تھیں۔ جاوید بھی خوب دل لگا کر محنت کرتا۔ اس سال اس کو ہائی اسکول کا امتحان دینا تھا۔ وہ اسکول جاتا۔ پڑھائی میں مصروف ہو جاتا اور ادھر ادھر کی باتوں پر دھیان نہیں دیتا تھا۔ استاد بھی اس سے خوش رہتے۔ جاوید کی کلاس میں رشید نام کا ایک لڑکا بھی تھا جو پڑھائی میں تو زیادہ دل چسپی نہ لیتا لیکن گدی فضول باتوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا۔ وہ اگر اسکول سے بھاگ جاتا اور سڑک چلتے لوگوں کو پریشان کرتا۔ اس طرح کے کچھ اور لڑکوں سے رشید کی گہری دوستی تھی۔ رشید نے جاوید کو بھی اپنے دوستوں میں شامل کرنا چاہا مگر جاوید کو تو پڑھائی سے ہی فرصت نہ تھی۔ پھر ان لوگوں کے مزاج بھی تو جاوید سے نہیں ملتے تھے، اس وجہ سے وہ ان لوگوں سے دوستی نہ کر سکا۔ رشید جاوید کی اس بات سے بہت ناراض ہوا۔ سب سے زیادہ دکھ اس کو اس وقت ہوا کرتا جب کلاس میں پڑھاتے وقت ماسٹر صاحب کے سوالات کا جواب رشید اور اس کے ساتھ تو دے نہیں پاتے مگر جاوید فوراً ہی ان کا جواب دے دیا کرتا۔ رشید اور اس کے دوست اس وقت بہت زیادہ شرمندہ ہوتے اور جاوید کو ذلیل کرنے کی ترکیب سوچنے لگتے۔

رشید شہر کے بہت بڑے رئیس عزیز الدین صاحب کا کلوتا اور منہ چڑھا لڑکا تھا۔ اکیلا ہونے کی وجہ سے



عزیز الدین صاحب اس کا ہر شوق پورا کرتے اور لاڈ پیار بھی بہت زیادہ کرتے۔ اسی وجہ سے رشید اپنی من مانی کرتا اور اپنا زیادہ تر وقت دوستوں کے ساتھ برباد کرتا رہتا۔

ایک دن دعا کے بعد ہیڈ ماسٹر صاحب نے اعلان کیا: ”بچو! تمہارا سالانہ امتحان قریب آ گیا ہے، لہذا سب بچوں کو چاہیے کہ وہ محنت سے پڑھیں اور امتحان کی تیاری کریں۔ اس کے بعد سب بچے اپنی اپنی کلاس میں چلے گئے۔ ریاضی ماسٹر افضل صاحب نے ایک سوال بلیک بورڈ پر لکھا اور بچوں سے معلوم کیا۔ اس سوال کو کون کون حل کر سکتا ہے۔“ جاوید اور اس کے ساتھیوں کے علاوہ کسی کا بھی ہاتھ نہ اٹھ سکا۔ رشید اس سوال کو حل کر دیا۔ ماسٹر صاحب نے کہا ”رشید بلیک بورڈ کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا لیکن سوال حل نہ کر سکا۔ اختر، ندیم، سرفراز، شاہد کتنے ہی لڑکوں کے نام افضل صاحب نے لے ڈالے مگر کوئی بھی اس سوال کو حل نہ کر سکا۔ ماسٹر صاحب کو بہت غصہ آیا۔ انہوں نے سب کو سخت سست کہا۔ خاص طور پر رشید کو بہت ڈانٹا اور آئندہ محنت کی سخت وارننگ دی۔ انہوں نے جاوید سے سوال حل کرنے کو کہا۔ جاوید نے فوراً ہی سال حل کر دیا۔ رشید نے اس کو اپنے لیے ایک چیلنج تصور کیا اور جاوید کا سوال حل کر دینا اپنی بے عزتی سمجھا۔ اس لیے وہ اور اس کے دوست جاوید سے بہت خائف ہوئے اور اس سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کی سوچنے لگے۔ اسکول کا وقت ختم ہونے پر جب چھٹی کی گھنٹی بجی تو سب لڑکے اپنے اپنے گھر چل دیئے۔ ابھی جاوید زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ رشید اور اس کے ساتھیوں نے اس کو راستے میں روک لیا اور کہا ”کلاس میں بہت زیادہ ایکٹو بنتا ہے۔ اب بول کر دکھا ایک ہی ہاتھ میں سب چالاک کی نکال دیں گے۔“ موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے جاوید خاموش رہا۔

اور سب کچھ سن کر بھی چپ چاپ گھر کی طرف چل دیا۔

آج امتحان کا پہلا دن تھا۔ سارے اسکول میں گہما گہمی تھی۔ سب لڑکے اپنی اپنی سیٹھ پر بیٹھ چکے تھے لین رشید اب بھی ایک کھڑا ہوا سگریٹ کے کش لے لے کر اس کا دھنواں فضاؤں میں اڑا رہا تھا۔ پہلی گھنٹی لگی۔ سب لڑکے اپنی اپنی سیٹھ پر بیٹھ گئے کچھ دیر بعد ماسٹر صاحب نے کاپیاں اور پرچے تقسیم کر دیئے۔ پرچے میں جو بھی سوالات تھے، وہ جاوید کو تو یاد ہی تھے، اسی لیے اطمینان بخش ہوئے تھے۔ اس لیے وہ بہت ہی خوش نظر آ رہا تھا۔ ادھر رشید نے محنت تو کی ہی نہیں تھی۔ وہ تو پہلے ہی یہ طر کر بیٹھا تھا کہ اس کے دوست اس کی مدد کر کے پیپر کرادیں گے لیکن امتحان میں سختی زیادہ ہونے کی وجہ اور کچھ اس کے دوستوں کا بے رخا پن ان دونوں ہی وجہ سے اس کے پرچے



صحیح نہ ہو سکے۔ اس کی حالت اب بری طرح بگڑ رہی تھی اور اس کو اپنے پاس ہونے تک کی امید نہ تھی۔ دن گزرتے دیر نہیں لگتی۔ رفتہ رفتہ وہ دن بھی آ پہنچا، جب ہائی اسکول میں جوید کی اول پوزیشن آئی تھی جب کہ رشید فیل ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھیوں میں سے اکثر فیل ہو گئے تھے اور جو پاس بھی ہوئے تو وہ بھی بہت کم نمبروں سے۔ رزلٹ دیکھ کر جاوید کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا جو جلد از جلد گھر جا کر یہ خوش خبری اپنی می کو سنانا چاہتا تھا۔ گھر جا کر اس نے اپنی می کو یہ خوش خبری سنائی تو اس کی می تو خوشی سے بے قرار ہوا نہیں۔ ان کی آنکھوں سے چند قطرے بھی نکل آئے۔ یہ تھے خوشی کے آنسو! انھوں نے جاوید کی پیشانی کو چومتے ہوئے کہا:

”بیٹا! یہ تو تمہاری محنت کا صلہ ہے۔ میری دعا اور خواہش تو یہی ہے کہ تم زندگی میں آگے بھی اسی طرح محنت کرتے ہوئے کامیابی کی منزلیں طے کرتے رہو اور ایک دن برے آدمی بن کر ملک تم کی خدمت کرو۔ جاوید کا تو خوشی کے مارے برا حال تھا۔ اچانک جاوید جانمہ کہلا گیا۔ اس نے سوچا اگر آج ابودنیا میں ہوئے تو یہ خوشی اور بھی دو بالا ہو جاتی۔ اتنا خیال آتے ہی اس کے دل میں خوشی کے جگمگاتے ہوئے ستاروں کی چمک ماند پڑ گئی۔

اگلے دن جب جاوید اسکول پہنچا تو پرنسپل صاحب نے اس سے کہا: ”جاوید! تم کو امتیازی نمبروں سے پاس ہو کر اسکول میں پہلی پوزیشن حاصل کرنے کی وجہ سے اسکول انتظامیہ کی طرف سے اعزازی وظیفہ مقرر کر دیا گیا ہے۔ جاوید یہ خوش خبری جلد از جلد اپنی می کو سنانا چاہتا تھا۔ اسی لیے وہ اسکول کی چھٹی ہوتے ہی فوراً گھر کی طرف چل دیا۔ ابھی وہ زیادہ دور نہیں پہنچ پایا تھا کہ اپنے پیچھے اسے کسی کوئی بڑی چیز کے گرنے کی آواز آئی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ پیچھے رشید کا دوست سرفراز گر پڑا تھا۔ جاوید نے فوراً اپنی سائیکل روک کر اس کو ایک طرف کھڑا کیا۔ سرفراز کو سہارا دے کر اٹھایا۔ چوک زیادہ ہونے کی وجہ سے سرفراز صحیح طرح سے کھڑا بھی نہیں ہو پارہا تھا۔ اس لیے جاوید نے اس کو رکشا میں بٹھایا اور اپنے گھر لے گیا۔ وہاں جا کر جاوید اور اس کی می نے سرفراز کے زخموں کی ڈرینگ کر دی۔ جب سرفراز نے جاوید اور اس کی می کا یہ سلوک دیکھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے جاوید سے روتے ہوئے کہا:

”مجھے معاف کر دو جاوید! میں کسی کے بہکاوے میں آ کر اندھا ہو گیا تھا۔ لیکن تمہارے اس سلوک نے اب میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ خدا کے واسطے مجھے معاف کر دو جاوید۔“ وہ روتے ہوئے جاوید سے پلٹ گیا۔ جاوید ابھی تک اصل واقعے کو سمجھ ہی نہیں پایا تھا۔ اس لیے وہ اس حیران ہو رہا تھا۔ اس حیرانی کو دورانے کے لیے اس



نے کہا: ”سرفراز! آخر مجھے بتاؤ تو سہی تم کس غلطی کی معافی مانگ رہے ہو؟“ اور تم کس وجہ سے گر پڑے؟ یہ سب کیا راز ہے؟ میری تو سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا ہے۔ سرفراز نے کہنا شروع کیا:

”جاوید! میں رشید کے کہنے میں آ کر بہک گیا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ تم کسی مناسب موقع پر جاوید کو اچھی طرح سبق سکھا دینا۔ اس کے لیے اس نے مجھے لالچ بھی دیا تھا۔ آج اسی بات کو پورا کرنے کے لیے میں ایک بڑا سا پتھر لے کر ایک پیڑ پر چڑھ گیا تھا۔ اور میرا پلان تھا کہ جب تم اس پیڑ کے نیچے سے گزرو تو پتھر تمہارے اوپر لڑھکا کر تمہیں لہولہان کر دوں۔ اتنا کہہ کر سرفراز پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اب اس کی آواز بھی رندھ گئی اور اس کا سر بھی شرم سے جھکا جا رہا تھا۔ جاوید تو پہلے سے ہی شریف اور رحم دل تھا۔ فوراً ہی سرفراز کی اس حالت پر اس کو رحم آ گیا۔ اس نے سرفراز کو دلاستہ دیتے ہوئے کہا:

”مجھے بہت خوشی ہے سرفراز کہ تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور تم اپنی اس غلطی کی وجہ سے شرمندہ بھی ہو لیکن تم کو میں اس وقت تک معاف نہیں کر سکتا جب تک تم اپنے گناہوں سے توبہ کر کے ایک شریف انسان کی طرح زندگی گزارنے کا عہد نہیں کر لو گے۔ سرفراز تواب خود ہی گناہوں کے دل سے نکل جانے کو بے قرار تھا۔ اس لیے اس نے سچے دل سے توبہ کر لی اور آئندہ کے لیے پورا عہد کیا کہ اب کبھی وہ کسی کو نہ تو ستائے گا اور نہ ہی کسی طرح کا نقصان پہنچانے کی غلطی کرے گا۔ جاوید نے بھی سچے دل سے معاف کر کے اس کو اپنا دوست بنا لیا۔

والدہ کی دعاؤں اور محنت کے سہارے ہی جاوید ہر سال اچھے نمبروں سے پاس ہو کر کامیابی پر کامیابی حاصل کرتا رہا اور پھر ایک وقت ایسا بھی آیا جب کہ وہ محکمہ پولیس کے اعلیٰ عہے پر فائز ہو گیا۔ برخلاف اس کے رشید لگا تار فیل ہوتا رہا۔ بالآخر اس نے اپنی پڑھائی ترک کر دی اور غلط صحبت میں پڑ کر گناہوں کے دل میں پھنستا چلا گیا۔ ایک دن ایسا بھی آیا جب وہ جرائم کی دنیا سے جڑ گیا اور بھر بار چھوڑ کر کسی گروہ میں شامل ہو گیا اور جرائم کی دنیا سے اس کا گہرا شہد ہوتا چلا گیا اور پھر جرائم کی زیادتی کی بنا پر وہ ایک اشتہاری مجرم قرار دے دیا گیا۔ اس کی گرفتاری پر حکومت کی جانب سے پچاس ہزار روپے انعام ملے کیا گیا۔

پولیس آفیسر بننے کے بعد جاوید کا تقریباً جس شہر میں ہوا تھا۔ وہاں مجرموں کے رجسٹر میں رشید کا نام سرفہرست



تھا لیکن وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ یہ وہی رشید ہے جو کبھی اس کا ہم جماعت رہ چکا یہ۔ جاوید نے ایک فرض شناس انسپٹر ہونے کی وجہ سے اپنی تمام توجہ رشید کی طرف مبذول کر دی اور اس کی گرفتاری کو اپنا فرض منہی سمجھا۔ خوبی قسمت کہ ایک دن وہ شہر کے مشہور رئیس سیٹھ محمد یامین کے مکان پر رشید کو رنگے ہاتھوں گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ جب نے رشید کو دیکھا تو فوراً ہی اس کو پہچان گیا جب کہ رشید اس کو نہ پہچان سکا کیوں کہ پولیس کی وردی اور عیش و آرام کی وجہ سے اس کی شکل و صورت کافی بدل چکی تھی اور اب وہ پہلے والا پتلا دبلا جاوید نہیں بلکہ عیش و آرام میں رہنے والا انسپٹر جاوید تھا۔

رشید کو شیکھ کر جاوید کے سامنے اپنے اسکول کا زمانہ آ گیا۔ اس نے رشید سے کہا: ”فسوس! رشید تم نے اپنی یہ کیا حالت بنالی۔ کاش تم اپنا قیمتی وقت برباد نہ کر کے اگر محنت سے پڑھتے اور بری باتوں سے دور رہتے تو آج تمہاری یہ حالت نہ ہوتی۔ پہلے تو رشید پولیس آفیسر کی یہ بات نہ سمجھ پایا لیکن جب اس کو معلوم ہوا کہ اس کے سامنے کھرا ہوا یہ پولیس انسپٹر کوئی اور نہیں بلکہ اس کے ساتھ پڑھنے والا جاوید ہے تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ آج اس کو اپنی غلطی کا احساس ہو چکا تھا۔ اس کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔ شدت سے اسے اس بات کا احساس ہو رہا تھا کہ اس نے اپنا وقت برباد کر کے اپنی زندہ ہی جاہ کر ڈالی اور آخر کار آج اس انجام تک پہنچ گیا۔ اس نے جاوید کے ساتھ جو سلوک کیا تھا، اس کی وجہ سے وہ اس سے آنکھیں نہیں ملا پارہا تھا۔ رشید نے جاوید کے سامنے گڑ گڑاتے ہوئے اپنے گناہوں کی معافی مانگی اور آئندہ سے شریف انسان بن کر زندگی گزارنے کا عہد کیا۔ جاوید تو نرم دل تھا ہی اور پھر اس کا مقصد ہی برے لوگوں کو اچھے راستے پر لانا تھا۔ کسی سے انتقام لینا یا اس کو ستانا نہیں۔ اس نے کہا ”رشید! میں تو تم کو معاف کر دیتا ہوں مگر قانون تم کو جو سزا دے گا اسے کاٹ کر ہی تم ایک شریف انسان کی طرح زندگی گزار سکتے ہو۔“

رشید جاوید کے اس سلوک سے بہت خوش ہوا اس نے پھر کہا:

”جاوید! مجھ کو میرے گناہوں کی سزا ملنی ہی چاہیے۔ واقعی میں نے تمہیں بہت ستایا اور دوسروں کو بھی بڑی پریشانیاں دی تھیں۔ لیکن آج تم جس مقام پر یہ ہو تو تمہاری اپنی محنت کا صلہ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی انھیں کو نوازتا ہے جو اپنا وقت برباد نہیں کرتے اور دوسروں کی خدمت کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھتے ہیں۔“



ندامت کے آنسو

(انسانیت کا درس فرہم کرنے والی کہانی ہے)

فضا میں ایک زوردار قہقہہ بلند ہوا اور سبھی لڑکے زوردار تالیاں بجا کر احمد کا مذاق اڑانے لگے۔ ”ارے کسی مسجد میں جا کر امامت کیوں نہیں کر لیتے۔“ ایک جانب سے آواز بلند ہوئی۔ ”ہاں! ہاں! کیوں نہیں؟ زمین بھی تو انہی بیچارے کی عبادت کی وجہ ہی قائم ہے۔ ورنہ کبھی کی قیامت ہی آگئی ہوتی۔“ دوسری طرف سے یہ الفاظ فضا میں بلند ہو رہے تھے اور نہ جانے کیا کیا۔ بے ہودہ ہی آوازیں آتی رہیں۔ آج کوئی نئی بات نہیں تھی بلکہ یہاں تو روز ہی ایسا ہوتا۔ جب بھی بیچارہ احمد نظر آتا میں اور میرے ساتھی اسی طرح کی بے ہودہ حرکتیں کرنا شروع کر دیتے اور احمد بیچارہ یہ سب کچھ نہایت صبر اور خاموشی کے ساتھ برداشت کرتا رہتا۔ ایسا محسوس ہوتا جیسے اس کے کان ان بیہودہ باتوں کو سنتے ہی نہ ہوں اور نہ ہی اس کی آنکھیں ان غیر اخلاقی حرکتوں کو دیکھنا گوارا کرتیں۔

ہم سب عبدالکریم خاں انٹر کالج میں دسویں کلاس کے طالب علم تھے۔ وہ وقت بھی بڑا عجیب وقت تھا۔ رگوں میں دوڑتا ہوا گرم خون یار دوستوں کی ہنسی مذاق کی رنگین محفلیں، نہ کوئی غم اور نہ کسی طرح کی کوئی فکر، ہر وقت بہار ہی بہار، وقت نہایت ہی عیش و عشرت سے گزر رہا تھا۔ زندگی بہت حسین معلوم ہو رہی تھی۔ گھر سے بھی خوش حالی اور بے فکری کا ماحول تھا۔ کسی قسم کی تکلیف سے سابقہ نہ پڑا تھا۔ رنج و غم نے جیسے ہمارا منہ دیکھا ہی نہ ہو۔ میری ہی طرح میرے سبھی یار دوست بھی نہایت شرارتی اور کسی حد تک اخلاق و تہذیب سے دور ہی تھے۔ اسکول میں بھی ہمارا زیادہ تر وقت ایسی ہی حرکتوں میں گزرتا تھا۔ اسکول کے تمام ساتھی اور اساتذہ تک ہماری حرکتوں سے نالاں رہتے تھے لیکن خدا نے ہم سب کو ذہن اچھے دیئے تھے۔ ہر بات ماسٹر صاحب کے بتاتے ہی ذہن نشین ہو جاتی تھی۔ اس وجہ سے ہمارے استاد ہم سے شاک کی ہونے کے باوجود ہم کو زیادہ سخت و سست نہیں کرتے تھے۔

احمد جو اسی سال ہمارے اسکول میں داخل ہوا تھا۔ نہایت ہی شریف، عمدہ اخلاق اور اچھے کردار کا مالک تھا۔ کلاس کے سبھی بچوں سے نہایت خوش اخلاقی اور ملنساری سے پیش آتا۔ اساتذہ کا ادب کرنا اور کبھی کسی سے نہ لڑنا۔ ان سب باتوں کے علاوہ ایک خوبی اور تھی وہ یہ کہ احمد پابندی کے ساتھ پانچوں وقت کی نماز ادا کرتا۔ اسی وجہ



سے اس کا جسم اور کپڑے بھی پاک رہا کرتے اور وقت کا بھی پابند تھا۔ اساتذہ اور کلاس کے لڑکے اسی وجہ سے احمد کو اچھا سمجھتے۔ لیکن میں اور میرے ساتھی احمد کا مذاق بنانا اپنی شان سمجھتے اور اس بیچارے کو طرح طرح سے پریشان کرتے لیکن اخلاق و تہذیب کا پتلا بیچارہ احمد ہماری کسی بھی حرکت سے نہ تو ہم سے خفا ہوتا اور نہ ہی استاد سے ہماری شکایت کرتا۔ وہ نہایت صبر و تحمل سے ہماری ان غیر مناسب حرکتوں کو برداشت کرتا رہتا۔ میں اپنے دوستوں کو نہایت عزیز رکھتا اور ان کو خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتا۔ اسی وجہ سے مجھ کو ان پر کچھ زیادہ ہی بھروسہ تھا۔

ایک دن ہم سبھی وست سڑک پر جا رہے تھے۔ دوسروں پر آوازے کتا، کسی کی سائیکل پکڑ کر کھینچ لینا، کسی کی جانب کنکر، پتھر یا کیلے کا چھلکا اچھال دینا یہ تو ہماری عادت بن چکی تھی۔ اس وقت بھی ہم ایسی ہی حرکتیں کر رہے تھے۔ اچانک سامنے سے ایک موٹا تازہ ”سائڈ“ آتا ہوا نظر آیا۔ ہم سب کو ایک نئی شرارت سوچھی۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو کچھ اشارے ہوئے اور ہمارے چہروں پر ایک شرارتی مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ آنا فنا یہ بات طے پائی کہ اس ”سائڈ“ کی دم میں پٹاخہ باندھ دیا جائے اور جب پٹاخہ کی آواز سے یہ سائڈ بازار کی طرف بھاگے گا تو بہت ہی لطف آئے گا مگر سوال یہ تھا کہ پٹاخے باندھے گا کون؟ چونکہ ان سب میں میں ہی تھوڑا بہادر اور باہمت واقع ہوا تھا۔ اسی وجہ سے سبھی کی نظر انتخاب مجھ پر ہی تھی۔ بالآخر مجھ کو ہی اس کام کے لیے چنا گیا۔ میں نے ہمت کر کے پٹاخے اس کی دم میں باندھ دیئے اور دیا سلائی سے اس میں آگ لگا دی۔ سبھی ساتھی تھوڑے فاصلے ہی سے یہ سب تماشا دیکھ رہے تھے۔ جیسے ہی پٹاخے زوردار آواز سے پھٹا ”سائڈ“ اس کے دھماکے سے اچھلا اور چھلانگ لگاتا ہوا سرک پر دوڑنے لگا۔ میں اور میرے سبھی ساتھی اس پر لطف منظر سے خوب لطف اندوز ہو رہے تھے۔ لیکن یہ کیا؟ فوراً ہی سائڈ نے اپنا رخ ہماری طرف کیا اور غراتا ہوا تیزی سے ہم لوگوں پر چھٹا۔ ہم سبھی وہاں سے بھاگ کھرے ہوئے لیکن اس افراتفری کے عالم میں میرے ٹھوکر لگی۔ میں گرنے سے تو بچ گیا مگر اسی دوران سائڈ میرے بالکل نزدیک آچکا تھا۔ میں نے پلٹ کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ وہ سب مجھ سے درجا چلے تھے۔ میرا خیال تھا کہ وہ آکر مجھ کو اس ناگہانی آفت سے نجات دلا دیں گے۔ سائڈ میری طرف گھور رہا تھا۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ اس حالت کو دیکھتے ہوئے اب میری تمام ہی شرارت کا فور ہو چکی تھی اور میں بری طرح کانپ رہا تھا۔ میں نے گھبراہٹ میں اپنے دوستوں کی آواز بھی دی مگر ان میں کوئی بھی میری مدد کو نہ آیا۔ اب میرا خوف کے مارے برا حال تھا۔ آج مجھے اپنی شرارت پر افسوس ہو رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کاش یہ شرارت میں نے کی ہی نہ ہتی جس کی وجہ سے مجھ کو یہ سخت تکلیف دہ منظر دیکھنا پڑا۔ سائڈ میری



طرف بڑھ رہا تھا۔ میرا خوف و دہشت سے برا حال تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ مجھ پر حملہ آور ہو میں نے دیکھا ایک لڑکا نہایت بہادری اور پھرتی کے ساتھ میری مدد کے لیے آیا اور میرے اور سائڈ کے بیچ حائل ہو گیا۔ اگرچہ میری طرف پشت ہونے کی وجہ سے میں اس کا چہرہ تو نہ دیکھ سکا لیکن وہ اس وقت میرے لیے کسی فرشتہ رحمت سے کم نہ تھا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ ایک کم زور دبلا پتلا لڑکا کھرا ہے۔ جو اس مردی اور حوصلے کے ساتھ اس سائڈ کے مقابل ہے۔ کافی دیر تک یہ کش مکش جاری رہی مگر سائڈ اس پر حملہ کرنے کی جرأت نہ کر سکا۔ کچھ اور دیر تک یہ عالم رہا اور اب اس لڑکے کے آنے کی وجہ سے میری اوسان بھی بحال ہو چکے تھے اور خوف بھی کسی حد تک کم ہو چکا تھا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ خدا کے فضل و کرم سے وہ سائڈ پیچھے ہٹنا شروع ہو گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اس کی ہمت کے سامنے ٹک نہ سکا یا پھر اس لڑکے کی انسانی ہمدردی کو دیکھ کر قدرتِ خداوندی جوش میں آگئی اور اس نے بھی سائڈ کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا ہو۔ وجہ چاہے کچھ بھی رہی لیکن میں نے دیکھا کہ سائڈ اب تیزی سے پیچھے ہٹا اور ایک جانب چل دیا۔ سائڈ کے پیچھے ہٹتے ہی جب اس لڑکے نے میری طرف رخت کیا تو میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور شرام و ندامت سے میں نے اپنا سر جھکا لیا۔ میں اس لڑکے سے آنکھیں ملانے کی ہمت نہیں کر پارہا تھا کیوں کہ وہ لڑکا اور کوئی نہیں بلکہ ہماری کلاس میں پڑھنے والا احمد ہی تھا۔ میں سوچ رہا تھا وہ نازک بدن اور کم زور سا احمد، آج بھلا اس کے اندر اتنی جان کہاں سے آگئی جو اس نے اتنا بڑا بہادری کا کام کیا۔ احمد کا یہ عمل اور اس کا سابقہ کردار ان دونوں کی وجہ سے اب احمد نے میرے دل میں جگہ بنا لی تھی۔ میں اس الجھن میں تھا کہ کسی طرح اس کے اس عظیم احسان کا بدلہ دوں۔ مگر آنکھوں میں ہمت کہاں جو اس کی طرف دیکھ سکوں۔ زبان حوصلہ کیسے پائے جو اس سے بات کر سکے۔ میں شرم سے زمین میں گڑھا جا رہا تھا اور اپنے کارناموں کی وجہ سے خود کو احمد کا مجرم تصور کر رہا تھا۔ میں نے اپنے تمام حواس کو اکٹھا کرتے ہوئے اس سے کہا ”احمد! میرے اچھے دوست مجھے معاف کر دو۔ احمد نے میری طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے کہا: ”ارے ارشد! یہ تم کیسی باتیں کرنے لگے۔ اس وقت تو تم کو اللہ کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اس نے تم کو ایک مصیبت سے بچا لیا۔“ ”ہاں احمد! یہ خدا کا تو شکر ہے ہی مگر اس میں تمہارا حصہ بھی کچھ کم نہیں۔ تم نے جس ہمت سے اس سائڈ کا مقابلہ کیا وہ بھی قابل احسان ہے۔ اگر تم نہ آتے تو وہ سائڈ نہ جانے میری کیا حالت بنا دیتا۔ احمد نے کہا: ”خدا نے ہی تو مجھ کو تمہاری مدد کے لیے بھیجا تھا لیکن ارشد یہ تو بتاؤ یہ سب کیسے ہوا۔ وہ سائڈ کیوں تمہارے پیچھے پڑ گیا؟“ میں تو پہلے ہی کافی شرمسار تھا۔ احمد کے اس سوال نے مجھ کو اور بھی شرمندہ کر دیا اور پھر اس کو اپنی پوری حرکت بتادی۔ میری بات سن کر احمد نے کہا ”دیکھو ارشد!



تم مجھ کو ستاتے رہے، طرح طرح سے پریشان کرتے رہے۔ میرا مذاق اڑاتے رہے لیکن میں تمہاری ان سب باتوں کو نظر انداز کرتا رہا مگر آج تم سے یہ بات ضرور کہنا چاہوں گا کہ جو حرکت تم کرتے رہے ہو وہ انسانوں کے لیے تو باعثِ تکلیف ہے ہی خدا کے نزدیک بھی نہایت پسندیدہ ہے۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ ایسی باتوں سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔ ارشد! آج میں تم سے کہنا اہوں کہ تم اب کسی کو مت ستانا۔‘ احمد ان کے علاوہ اور بھی نصیحتیں کرتا رہا۔ آج اس کی باتیں مجھ کو اچھی معلوم ہو رہی تھیں۔ میں چاہتا تھا کہ احمد آج مجھ کو برا کہے۔ میری غلطیوں پر مجھ کو ڈانٹے۔ آج میں اس کو اپنا مسیحا تو سمجھ ہی رہا تھا۔ احمد نے پھر کہنا شروع کیا۔ ”ارشد! اگر تم نماز پڑھے تو ان بے ہودہ حرکتوں سے خود بہ خود دور ہو جاتے اور اس طرح کی غیر اخلاقی حرکتیں نہ کرتے کیوں کہ نماز بری باتوں اور بے حیائی سے بچاتی ہے اور سنو ارشد! نماز انسان کو صرف نیک ہی نہیں بناتی بلکہ اس کو زندہ کا سلیقہ اور شعور بھی دیتی ہے۔ تم خود کچھ سکتے ہو جو لوگ نماز پڑھتے ہیں ان کا رہن سہن اور طور طریقے سادہ ہونے کے باوجود بھی بہت عمدہ اور شریفانہ ہوتے ہیں اور ہاں ارشد! نماز انسان کے اندر ہمدردی کا جذبہ اور حوصلہ بھی پیدا کرتی ہے۔ وہ لوگ جو نماز کے پابند ہوتے ہیں انسانی خدمت اور مخلوق خدا کی مدد کرنے میں ہمیشہ ہی دوسروں سے آگے رہتے ہیں۔ کسی طرح کا ڈر یا خوف بھی ان کو اس بات سے باز نہیں رکھتا۔ میں بھلا احمد کی بات کو کیوں کر جھٹلا سکتا تھا۔ میں تو خود ہی احمد کی بہادری اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔

احمد کی ہر بات میری کانوں تک ہی نہیں پہنچ رہی تھی بلکہ وہ میرے دل و دماغ کو بھی جھنجھوڑ رہی تھی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ آج احمد ایسا دربان ہے جو دل کے بند دروازوں کو مسلسل کھولے جا رہا تھا۔ اس کی ہر بات میرے دل پر نقش ہو رہی تھی۔ اپنی حرکات کی وجہ سے تو میں خود کو مجرم تصور کر رہی رہا تھا۔ احمد کی ان باتوں نے مجھ کو اور بھی شرمندہ کر دیا تھا۔ فرطِ ندامت سے میری آنکھوں میں آنسو آگئے اور ندامت کے یہ آنسو میری آنکھوں سے بہہ بہہ کر رخساروں پر ٹپکنے لگے۔ میں احمد کی طرف بڑھا اور کاندھے پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ احمد نے مجھ کو دلاسا دیا۔ میں نے کہا: ”احمد! میں تمہارا مجرم دوں۔ میں نے تمہارا دل بہت دکھایا ہے۔ مجھے معاف کر دو۔“ احمد نے کہا ”ارشد خاموش ہو جاؤ! یہی کافی ہے کہ تم کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ تمہارے ندامت کے یہ آنسو اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ انشاء اللہ تم آئندہ ضرور ایک شیف اور اچھے انسان بن جاؤ گے۔



کہانی میں کہانی

سنی کے دادا جان روزانہ سویر سیر کو جاتے تھے۔ سنی اکثر ان کے ساتھ ہولیتا۔ ایک روز گھومتے گھومتے دونوں محکمہ جنگلات کے آفس کی طرف جانکلے۔ وہاں بہت سے مزدور آفس کا وسیع کمپاؤنڈ صاف کر کے پیڑ لگا رہے تھے۔

دادا جان نے ایک مزدور سے پوچھا ”کیوں بھائی؟ کون کون سے پیڑ لگا رہے ہو؟“
 ”یہاں تو صرف سبائل کے پیڑ لگنے ہیں صاحب۔“ مزدور نے کہا۔ ”ہاں دوسری طرف ضرور ساگوان، بانس، نیل گری وغیرہ کے پیڑ لگائے جائیں گے۔“
 دادا جان سر ہلا کر آگے برہ چلے۔ سنی نے بڑے بزرگوں کی مانند کہا۔ ”کیسے بے وقوف ہیں، ببول کے پیڑ لگا رہے ہیں۔ آم امرود کے پیڑ لگاتے تو کوئی بات تھی۔“
 ”تم نے ٹھیک سے سنا نہیں بیٹا، ببول کے نہیں سبائل کے پیڑ لگ رہے ہیں یہاں۔“
 دادا جان نے کہا۔

”دادا جان، ببول ہو یا سبائل! کانٹے تو اس میں ہوں گے ہی۔ کیا فائدہ ایسے درخت سے جس پر چڑھ کر کھیل نہ سکیں۔ جس کے پھل نہ کھا سکیں۔“ سنی نے برا سامنہ بنا کر کہا۔
 دادا جان ہو ہو کر ہنسے پھر بولے۔ ”یہ بات تو صحیح نہیں کہہ رہے ہو تم کو ببول کا پیڑ کسی کام کا نہیں ہوتا۔ ببول کی لکڑی جلانے کے کام آتی ہے۔ اس کی کانٹے دار ٹہنیوں سے کھیتوں کی باڑ بنائی جاتی ہے۔ اس کی پتیاں او ر پھلیاں جانور، خاص طور پر بکریاں بڑے شوق سے کھاتی ہیں۔ اس کی مسواک بہترین مسواک ہوتی ہے۔ ببول کا گوندھ کھانے کے کام میں آتا ہے۔“

”اے باپ رے! کٹیلے ببول کے اتنے سارے فائدے! سنی حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولا۔
 ”ہاں بیٹے! اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو بلا مقصد نہیں پیدا کیا۔ اب اس سبائل ہی کول و۔ اس کی اہمیت اس میں لگنے والے پھل پھولوں سے نہیں ہے۔ یہ پیڑ بادلوں سے پانی کھینچنے کے کام آئیں گے۔“



”کھینچنے سے بادل کیا زمین پر آجائیں گے دادا جان؟ سنی نے تجسس سے پوچھا۔

”بادل زمین پر بادلوں کی شکل میں نہیں، پانی کی شکل میں آئیں گے۔“ دادا جان نے جواب دیا۔ پھر چند لمحے توقف کر کے بولے۔ ”میں نے تمہیں سونا پری کی کہنا سنائی تھی۔ یاد ہے؟“

”ہاں خوب یاد ہے۔ سونا پری جو سال میں چھ مہینے ہنستی ہے اور چھ مہینے روتی تھی۔ مگر وہ ایسا کیوں کرتی تھی، یہ میں بھول گیا دادا جان۔“

دادا جان نے بتایا۔ ”سونا پری جب دنیا میں پھیلی ہوئی برائیوں کو دیکھتی تھی تو زار و قطار روتی تھی۔ اس کے رونے سے پریشان ہو کر والدین اسے سمجھاتے کہ دنیا میں اگر برائیاں ہیں تو اچھائیاں بھی ہیں۔ پھر سونا پری جب ان کی اچھائیوں پر نظر ڈالتی تو ہنسنے لگتی اور ہنستی ہی جاتی۔“

”اچھا، جب بادل زمین کی طرف آئیں گے تو کیا ہوگا؟“ سنی نے بات کے سرے کو پکڑا ”کیا زمین بھی ہنسنے لگے گی؟“

”زمین بھی سونا پری کی مانند روتی اور ہنستی ہے۔ جب دھرتی کے سینے پر فصلیں لہلہاتی ہیں تو ہونہستی ہے۔ جب بارش نہیں ہوتی یا بالکل کم ہوتی ہے تو زمین سوکھ جاتی ہے اور اپنی بد حالی پر روتی ہے۔“

”تو سب ابل کے پیڑ کہاں کہاں لگائے جاتے ہیں؟“

”جہاں جہاں بھی زمین خالی پڑی ہے وہاں اب سرائیل کے پیڑ لگائے جا رہے ہیں تاکہ خوب بارش ہو۔ بارش ہوگی تو فصل اچھی ہوگی اور سیچائی کے لیے پانی بھی جمع کیا جاسکے گا۔“ دادا جان نے سمجھایا۔

”دادا جان پندرہ اگست کو ہم بچوں میں اسکول سے پودے تقسیم کئے گئے تھے۔ میرا پودا سوکھا گیا جب کہ نانا میاں کے پوکا پیڑ کافی بڑا ہو گیا ہے۔“ سنی نے اطلاع دی۔

”تم نے پودے کی اچھی طرح نگہداشت نہیں کی ہوگی اسی لیے وہ سوکھ گیا۔ تم نے اسے زمین میں لگایا تھا یا گملے میں۔“

”نہ زمین میں نہ گملے میں۔ پلاسٹک کی تھیلی ہی میں رکھا رہ گیا وہ۔“ سنی نے بچھے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”اپنے گھر میں پیڑ لگانے کے لیے یا گملے رکھنے کے لیے جگہ ہی کہاں ہے؟“

”تم غمگین نہ ہو بیٹے۔“ دادا جان نے پیارے سنی کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ ”میں تمہیں نرسی سے ایک آم کا پیڑ



لادتا ہو۔ اسے تم نانا میاں کے آگن میں لگا دینا۔ میں ان سے کہہ دوں اچھی نگہداشت کرو گے تو تمہارا پیڑ بھی نشوونما پائے گا۔“

”واہ دادا جان! نانا میاں کے آگن میں لگانے سے پیران کا ہو جائے گا۔“ سنی نے بے ساختہ ہنس پرا جیسے دادا جان کی سمجھ میں اتنی ذرا سی بات نہ آئی ہو۔

”نہ بیٹے! ایسی بات ن ہیں ہے۔ پھلوں کے پیڑ یہ سوچ کر قطعی نہیں لگائے جاتے کہ وہ کسی کی ملکیت ہوں گے یا کون ان کے پھل کھائے گا۔ کیا میں نے تمہیں کبھی اس بوڑھے کی کہانی نہیں سنائی جو بڑھاپے میں آم کا پیڑ لگا رہا تھا۔“

”نہیں دادا جان! نہیں سنائی وہ کہاں، اب سنائیے۔“

”ایک بوڑھا شخص آم کے پیڑ لگا رہا تھا۔ ایک دوسرے شخص نے یہ دیکھ کر کہا۔ ”بابا، اس عمر میں پیڑ لگا رہے ہو۔ کیا اس میں پھل آنے تک زندہ رہو گے۔“

بوڑھے نے جواب دیا۔ ”وہ سامنے امرائی (آموں کا باغ) دیکھ رہے ہو اس باغ کے پیڑ میرے پر دادا اور دادا نے لگائے تھے۔ ان پیڑوں کے پھل آج میں اور میرے بچے کھا رہے ہیں۔ میرے لگائے ہوئے پیڑوں کے پھل میرے نواسے پوتے کھائیں گے۔“

اس کہانی سے تمہیں کیا سبق ملتا ہے سنی؟ ”دادا جان نے پوچھا۔

”یہی کہ ہمیں صرف اپنا فائدہ نہیں دیکھنا چاہئے۔ سنی نے جواب دیا۔

”بالکل صحیح! اس کہانی سے یہ بھی سبق ملتا ہے کہ ہمیں ہمیشہ دوسروں کے بھلے کے لیے کام کرنا چاہئے۔ جیسا

کہ اس کہانی میں ہے۔ جواب میں نے تو کوسنانے والا ہوں۔“

سنی ہمدن گوش ہو گیا۔ دادا جان سنانے لگے۔

”ایک خاتون ریل میں سفر کر رہی تھیں۔ ریل جب ویرانوں اور جنگلوں میں سے گذرتی تو وہ اپنی ہتھیلی

میں ہاتھ ڈال کر کچھ نکالتیں اور کھڑکی سے باہر پھینک رہی ہیں؟“

خاتون نے جواب دیا۔ ”پھل پھولوں کے بیج ہیں۔ میرے گھر کے باغ میں بکتر نکلتے ہیں۔ میں چاہتی



ہوں کہ جب بارش ہو تو ان بیجوں سے کوئلیں پھوٹیں۔ ان کے پیڑ بنیں۔ ان پر خوبصورت پھول کھلیں، میٹھے پھل لگیں۔ ان کا سایہ گھنا بنے تاکہ جب تھکے ہارے مسافر ان راستوں سے گزریں تو انہیں چھاؤں ملے۔ پھلوں سے ان کی بھوک مٹے اور رنگ برنگے پھول دیکھ کر انہیں خوشی حاصل ہو۔“

”بہت اچھی کہانی ہے یہ بھی۔ میں یہ کہانی جتنی کوسناؤں گا۔ میں خود بھی پیڑ لگاؤں گا اور دوسروں کو بھی پیڑ لگانے کو کہوں گا۔ دادا جان، آپ مجھے زسری سے پودا لادیں، ضرور لادیں۔“

گھر نزدیک آ گیا تھا۔ سنی نے دادا جان سے ہاتھ چھڑا لیا اور اپنی بہن چنی کو پکارتا ہوا گھر میں داخل ہو گیا۔ دادا جان مسکراتے ہوئے اس کے پیچھے چل پڑے تھے۔



حسد کا انجام

ای جنگل میں ایک برگد کے بہت بڑے درخت پر تین گھونسلے تھے۔ ان گھونسلوں میں ایک ننھی سی مینا، ایک مہربان سی فاختہ اور ایک شرارتی سی بلبل رہتی تھی۔ تینوں کی آپس میں بہت دوستی تھی۔ مل جل کر رہتیں، ایک دوسرے کی مدد کرتیں، دکھ سکھ میں دوسرے کے کام آتیں۔ برگد کے اس درخت پر تینوں کی وجہ سے بہت رونق رہتی۔ وہ تینوں آپس میں بالکل نہ لڑتیں اور سکون سے رہتیں۔

ایک دن انہوں نے درخت پر ہلچل دیکھی تو وہ گھونسلوں سے باہر آ کر دیکھنے لگیں۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک کالی چڑیا بھی اس درخت پر اپنا گھونسلہ بنا رہی ہے۔ وہ بھی خوش ہو گئیں کہ چلو ایک نئی ہمسائی کے آنے سے رونق بڑھ جائے گی۔ کالی چڑیا سا رادن گھونسلہ بناتی رہی اور تھک گئی۔ فاختہ نے سوچا کہ بے چاری چڑیا کے بچے بھوکے ہوں گے اور اسے دانا چکنے کا وقت نہیں ملا ہوگا۔ آج مجھے کالی چڑیا کو کھانا بھجوانا چاہئے۔ اس نے مونگ کی کھجڑی پکائی اور اسے کالی چڑیا کے گھر دینے چلی گئی۔ فاختہ کے پکارنے پر کالی چڑیا اپنے بال بکھیرے تھکی ہاری باہر آئی۔ فاختہ نے بہت پیار سے سلام کیا۔ مگر کالی چڑیا نے صرف سر ہلا کر سلام کا جواب دیا۔

میں آپ کے لیے کھانا لائی تھی۔ آپ تھک گئی ہوں گی۔ فاختہ نے خوش دلی سے کہا۔ تو کالی چڑیا بولی اس کی کیا ضرورت تھی۔ نہ تو اس نے فاختہ کو اندر آنے کو کہا اور نہ ہی اس کا شکریہ ادا کیا۔ فاختہ شرمندہ سی لوٹ آئی۔ مگر اپنی سہیلیوں بلبل اور مینا سے کالی چڑیا کے رویے کا ذکر نہ کیا۔ اگلے دن مینا اور بلبل نے کام سے فارغ ہو کر کالی چڑیا کو ملنے اور خوش آمدید کہنے کا فیصلہ کیا۔ گو فاختہ گزری رات کے واقعے کے بعد کالی چڑیا کے ہاں نہیں جانا چاہتی تھی۔ مگر اپنی سہیلیوں کے سامنے انکار نہ کر سکی اور ساتھ چل پڑی۔ اس وقت کالی چڑیا سوئی پڑی تھی۔ جب انہوں نے دو تین دفعہ گھونسلے کے دروازے پر دستک دی تو کالی چڑیا کی آنکھ کھل گئی۔ نیند خراب ہونے پر وہ غصے کی حالت میں باہر آئی۔ کیا مصیبت ہے؟ وہ بلبل اور مینا کے مسکراتے چہرے کو دیکھ کر چیخی۔ وہ تینوں اس کے چیخنے سے سہم گئیں۔

ہم سب آپ سے ملنے آئی تھیں۔ بلبل نے ہمت کر کے کہا اور جنگلی پھولوں کا گل دشتہ کالی چڑیا کی طرف بڑھایا۔ مینا نے جنگلی پھولوں کی ٹوکری بڑھائی۔ کالی چڑیا نے پھولوں کا گل دستہ اٹھا کر دو پھینکا اور ٹوکرو کو ٹانگ ماری۔ انگور اور جامن ادھر ادھر بکھر گئے۔ اور دھڑام سے دروازے بند کر کے گھونسلے میں چلی گئی۔ تینوں اس برتاؤ سے



گھبرا گئیں اور شرمندہ ہو کر لوٹ آئیں۔ دن گذرتے گئے۔ مگر کالی چڑیا کا غرور کم نہ ہوا۔ مینا، فاختہ اور بلبل نے بھی اس دن کے بعد دوبارہ کالی چڑیا سے کوئی رابطہ نہ کیا۔ کالی چڑیا جب دیکھتی کہ تینوں اتنی خوشی سے مل جل کر رہ رہی ہیں تو اسے بہت جلن ہوتی۔ وہ تینوں کو یوں ہنستا دیکھ کر ان سے حسد کرنے لگی۔ وہ سوچتی کہ کسی طرح ان تینوں کی دوستی دوستی ختم کرادی جائے۔ اس وقت بھی اسے ان تینوں کے قہقہے سنائے دے رہے تھے اور وہ اندر ہی جل کر رہ رہی تھی۔

موسم بدل رہا تھا سردیوں کی آمد آتی تھی۔ ٹھنڈی ہوائیں برگد کے درخت کی ٹہٹیوں سے ٹکرائیں اور گزر رہی تھیں۔ اسی خیال سے تمام پرندے خوراک اکٹھی کرنے میں مصروف تھے۔ تاکہ سرد موسم میں پریشانی نہ ہو۔ فاختہ کو کہیں سے تھوری سے نرم گرم کپاس مل گئی۔ وہ اس خیال سے کہ چلو بچوں کو سردی نہ لگے۔ وہ کپاس گھر لے آئی اور گھونسلے کے ایک کونے میں رکھ دی۔ کالی چڑیا اپنے گھونسلے کے سوراخ سے فاختہ کو کپاس لاتے دیکھ چکی تھی۔ اسے ایک سازش سوچھی۔ صبح جب تینوں سہیلیاں حسب معمول خوراک کی تلاش میں ادھر ادھر نکل گئیں تو کالی چڑیا چپکے سے فاختہ کے گھونسلے میں آگھسی۔ اس نے وہاں سے کپاس اٹھائی اور جا کر بلبل کے گھونسلے میں چھپادی اور اوپر سوکھے تنکے ڈال دیئے تاکہ کسی کی نظر نہ پڑے۔ فاختہ شام کو لوٹی تو گھونسلے میں کپاس غائب تھی۔ وہ بڑی پریشان ہوئی کہ میری کپاس کہاں گئی۔ اس نے باہر آ کر مینا اور بلبل کو آواز دی۔

اے مینا بہن۔ اے بلبل میری بات سنو۔ نجانے میری کپاس کہاں گئی۔؟ وہ دونوں بھی فاختہ کی کپاس کی گمشدگی پر پریشان ہو گئیں اور ادھر ادھر ڈھونڈنے لگیں۔ کالی چڑیا سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ جب کپاس کہیں نہ ملی تو تینوں تھک ہار گئیں تو کالی چڑیا چپکے سے فاختہ کے پاس آئی اور مکارانہ مسکراہٹ سے بول۔ آپا برانہ مانو تو کچھ کہوں مگر ڈرتی ہوں..... فاختہ بولی۔ نہیں نہیں ڈرکیسا۔ کیا بات ہے؟ آج جب تم چلی گئی تھی تو میں اپنے ننھے چڑے کو کھانا کھلا رہی تھی باہر سے کھٹ پٹ کی آوازیں آئیں۔ تو میں نے چپکے سے گھونسلے کے سوراخ سے دیکھا کہ تمہاری سہیلی بلبل بے قدموں تمہارے گھونسلے میں گھسی اور وہاں سے کپاس اٹھا اٹھا کر اپنے گھونسلے میں لے گئی۔ میں چھپ کر سارا ماجرا دیکھتی رہی۔ اس نے گھونسلے کے پچھلے کونے میں وہ کپ اس چھپا رکھی ہے۔ فاختہ حیران ہو کر کالی چڑیا کو دیکھنے لگی۔ کالی چڑیا بولی۔ اے بھلا میں جھوٹ کیوں بولوں۔ اگر یقین نہ آئے تو جا کر دیکھ لینا۔ کالی چڑیا فاختہ کو پریشان کر کے چلی گئی۔ رات کو جب مینا فاختہ کے گھر آئی تو فاختہ نے کالی چڑیا کی بتائی ہوئی



بات مینا کو بتائی۔ مینا بھی یہ سن کر پریشان ہو گئی۔ انہیں بلبل سے یہ امید نہ تھی۔ دونوں نے سوچا کہ پہلے بلبل کے گھر جا کر اس بات کی تصدیق کر لی جائے۔ اتفاق سے اس وقت بلبل ندی سے پانی لینے گئی ہوئی تھی۔ دونوں بلبل کے گھونسلے میں گئیں۔ کالی چڑیا کی بتائی ہوئی جگہ پر جا کر دیکھا تو تنکوں کے نیچے واقعی کپاس چھپی رکھی تھی۔ دونوں کو بلبل کی اس حرکت سے بہت افسوس ہوا۔ بلبل لوٹی تو فاخنتہ نے اس سے لڑنا شروع کر دیا۔ بلبل بیچاری حیران و پریشان ہو کر فاخنتہ کو دیکھنے لگی اور معلوم کرنے لگی کہ معاملہ کیا ہے۔ جب اسے ساری بات پتہ چلی تو وہ رونے لگی اور قسمیں اٹھا اٹھا کر مینا اور فاخنتہ کو یقین دلانے لگی مگر چونکہ کپاس بلبل کے گھونسلے سے برآمد ہو چکی تھی۔ اس لیے مینا اور فاخنتہ کو بلبل کی ہر بات جھوٹی لگ رہی تھی۔ فاخنتہ اور مینا نے بلبل سے دوستی ختم کر لی۔ بلبل بیچاری تمہارہ گئی۔ وہ ہر وقت اداس اداس پھرتی رہی۔ جب بہت دل گھبراتا اپنے گھونسلے میں جا بیٹھتی۔

دن گذرتے گئے۔ کالی چڑیا، فاخنتہ اور بلبل کو جدا کر کے بہت خوش تھی لیکن اب اسے مینا اور فاخنتہ کے ساتھ کھلنے لگا تھا۔ وہ اس کی کوشش میں تھی کہ کسی طرح اب ان دونوں کو بھی جدا کر دے۔ آخر ایک دن اسے موقع مل ہی گیا۔ بارشوں کا موسم شروع ہو چکا تھا۔ مینا نے بڑی مشکل سے چاول اکٹھے کیے تھے کہ بارش میں اگر خوراک کے لیے باہر نہ جایا جاسکے تو گھونسلے میں بچوں کے لیے خوراک موجود ہو۔ آج خوب دھوپ نکلی تھی۔ مینا نے چاول دھوپ میں سوکھنے کے لیے رکھے تھے کیونکہ اس کے بچوں کو خشک چاول بہت پسند تھے۔ تھوڑی ہی دیر بعد کوا بھائی آیا تو اس نے مینا کو پیغام دیا کہ تمہاری نانی بہت سخت بیمار ہیں اور تمہیں بلایا ہے۔ مینا پریشان ہو گئی فاخنتہ نے کہا۔ جا کر نانی کو دیکھ آؤ۔ مینا بولی۔ میرا بھی کئی دنوں سے دل چاہ رہا تھا لیکن آج تو میں نے چاول باہر سوکھنے کے لیے ڈالے ہیں اور موسم کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔ اگر بارش ہو گئی تو چاول پھر سے گیلے ہو جائیں گے اور بچوں کو کھانے کو کیا دوں گی۔ فاخنتہ مینا کی بات سن کر بولی۔ پیاری مینا فکر کیوں کرتی ہو۔ میں ہوں نا۔ دھوپ ختم ہوتے ہی میں سارے چاول سمیٹ کر تمہاری گھونسلے میں رکھ دوں گی۔ تم بے فکر ہو کر نانی کا حال پوچھنے جاؤ۔ مینا نے بچوں کو ساتھ لیا اور نانی کے گھر چل دی۔

کہیں سے اڑتے ہوئے چند شرارتی بادل برگد کے پیڑ پر آکھڑے ہوئے اور سورج کو اپنے چھپا لیا۔ بادلوں کی آواز سن کر فاخنتہ کو مینا کے چاولوں کی فکر ہوئی۔ اس نے بھاگ بھاگ سارے چاول سمیٹے اور بارش برسنے سے پہلے ہی انہیں مینا کے گھونسلے میں پہنچا دیا۔ مینا موسم کی خرابی کی وجہ سے رات کو نہ لوٹ سکی۔ کالی چڑیا نے اس موقع کو غنیمت جانا اور تمام چاول مینا کے گھونسلے سے نکال کر برستی بارش اور تیز ہوا میں لا ڈالے۔ چاول ادھر ادھر بکھر کر خراب ہوئے



اور بیچاری فاختہ کو خبر بھی نہ ہوئی۔ مینا صبح سویرے ہی لوٹ آئی۔ مگر جب ہر طرف اپنے چاول بکھرے دیکھے تو غصے سے پاگل ہو گئی اور فاختہ کے گھونسلے کا دروازہ پٹینے لگی۔ فاختہ نے مینا کو یوں پریشان دیکھا تو بولی۔ مینا بہن کیا ہوا؟ خیریت تو ہے نا؟ نانی کا حال سناؤ؟ مینا نے بڑے ہی غصے سے بولی۔ نانی کو چھوڑو۔ تم نے جو میرے ساتھ کیا ہے۔ مجھے اس کی تم سے ہرگز امید نہ تھی۔ اگر تم چاول سمیٹ نہیں سکتی تھیں تو مجھے اس وقت بتا دیتیں۔ میں اپنا کام نبٹا کر چلی جاتی۔ فاختہ نے مینا کو لاکھ یقین دلانے کی کوشش کی کہ تمہارے چاول سنبھال دیئے تھے۔ مگر مینا نے اس کی کسی بات کا یقین نہ کیا۔ اور اس سے بولنا اور ملنا ملانا چھوڑ دیا۔ فاختہ بیچاری سوچتی رہتی کہ آخر وہ چاول بارش کی نذر کیسے ہو گئے؟ اب تینوں کی دوستی ختم ہو چکی تھی۔ سب الگ الگ، اداس اداس پھرتی رہتیں۔ جب ساتھ تھیں تو ایک دوسرے کا دکھ سکھ بانٹ لیتیں، ایک دوسرے کی مدد کرتیں مگر اب کچھ بھی ٹھیک نہ تھا۔

کالی چڑیا چاہنے کے باوجود مینا اور فاختہ کی لڑائی پر خوشی نہ مناسکی۔ کیونکہ اس برستی بارش میں مینا کے گھونسلے سے چاول نکال کر صحن میں پھینکتے ہوئے اسے سردی لگ گئی تھی۔ اسے شدید بخار تھا۔ اس کے پرگیلے ہو کر اڑنے کے قابل نہ رہے تھے۔ اور اس کے بچے بھوک سے نڈھال چلا رہے تھے۔ مگر کالی چڑیا میں اتنی سکت نہ تھی کہ وہ اڑ کر ان کے لیے کھانے کا بندوبست کر سکے۔ بچے بھوک سے روتے ہوئے سو گئے۔ کالی چڑیا کو اپنی بے بسی پر رونا آ رہا تھا۔ وہ سوچنے لگی کہ کہیں میرے بچے بھوک پیاس سے مر ہی نہ جائیں۔ میں نے جو کچھ بلبل، مینا اور فاختہ کے ساتھ کیا مجھے اس کی سزا مل رہی ہے۔ اس کا دل گھبرانے لگا۔ وہ باہر نکل آئی۔ کئی دنوں بعد آج پھر سورج نکلا تھا۔ سنہری گرم گرم دھوپ برگد کے پیڑ پر پڑ رہی تھی۔ کالی چڑیا کو یاد آیا کہ جب دھوپ نکلتی تھی تو مینا، بلبل اور فاختہ بچوں کو لیکر دھوپ میں آ بیٹھتے۔ بچے خوب کھیلتے۔ شرارتیں کرتے اور ان تینوں کی آپس میں باتیں ہی ختم نہ ہوتیں اور اب ہر طرف ویرانی ہی ویرانی تھی۔ اسے اس خاموشی سے وحشت ہونے لگی۔ اسے احساس ہونے لگا کہ اس نے اس برگد کے درخت کی رونق ختم کر کے اچھا نہیں کیا۔ وہ زور زور سے چلانے لگی۔

اے مینا۔ اے بلبل۔ آپا فاختہ کہاں ہو سب ذرا باہر تو نکلو۔ دیکھو کتنی اچھی دھوپ ہے۔ سورج بھی تمہیں ڈھونڈ رہا ہے۔ جب تینوں کے کانوں میں کالی چڑیا کی آواز پڑی تو وہ گھونسلوں سے باہر نکلیں اور کالی چڑیا کو دیکھنے لگیں۔ کالی چڑیا بولی۔ مجھے معاف کر دو۔ میں ہی تمہاری مجرم ہوں۔ میں نے ہی تم لوگوں کو آپس میں جدا کیا ہے۔ تینوں حیران ہو کر کالی چڑیا کو دیکھنے لگیں۔ کالی چڑیا نے کہا۔ ہاں فاختہ آپا آپ کی کپاس بلبل نے نہیں چرائی تھی



بلکہ میں نے خود جا کر اس کے گھونسلے میں چھپا دی تھی اور بلبل پر چوری کا الزام لگ گیا اور اس دن مینا بہن کے چاول بھی میں نے ہی برستی بارش اور تیز ہواؤں میں گھونسلے سے نکال کر رکھے تھے۔ جس سے چاول ضائع ہو گئے۔ لیکن مجھے اس کی سزا مل گئی ہے۔ میں بارش میں بھیگ کر سخت بیمار ہو گئی ہوں۔ بیماری کی وجہ سے میرے پروں میں اڑنے کی طاقت ہی نہیں رہی اور میرے بچے آج کئی دنوں سے بھوکے ہیں۔ مجھے معاف کر دو..... مجھے معاف کر دو..... کالی چڑیا رو رہی تھی۔ وہ بہت بیمار اور کمزور بھی لگ رہی تھی۔

ہمیشہ کی مہربان۔ فاختہ بولی، کالی چڑیا فکر کیوں کرتی ہو جا کر گھونسلے میں آرام کرو۔ میں تمہارے بچوں کے لیے کھانے کا بندوبست کرتی ہوں۔ مینا نے کہا۔ بلبل تم کالی چڑیا کو اس کے گھونسلے تک لے جاؤ۔

میں ذرا جا کر ڈاکٹر الو سے کالی چڑیا کے لیے دوا لے آؤں۔ یہ کہہ کر مینا اڑ گئی۔ کالی چڑیا، مینا، بلبل اور فاختہ کی دیکھ بھال سے کچھ دنوں ہی میں ٹھیک ہو گئی۔ بچوں کو بھی خوراک ملتی رہی۔ مینا، بلبل اور فاختہ کی دوستی دوبارہ سے شروع ہو چکی تھی۔

آج جب سورج نکلا تو اس نے دیکھا کہ پہلے کی طرح مینا، بلبل اور فاختہ دھوپ میں آ بیٹھی ہیں۔ بچے بھی پہلے کی طرح ہنس کھیل رہے ہیں۔

مگر یہ آج تینوں کے ساتھ چوتھا کون ہے؟ سورج آنکھیں کھول کھول کر دیکھنے لگا۔ جی ہاں آج کالی چڑیا بھی ان تینوں میں بیٹھی اپنا سارا غرور بھول کر تھپے لگا رہی تھی۔ وہ جان چکی تھی کہ مل جل کر رہنے میں ہی سب کا فائدہ ہے۔ بلبل، مینا اور فاختہ بھی نئی دوست کے ملنے پر بہت خوش ہیں۔



عدل جہاں گیری

شہنشاہ جہاں گیر کا نام تو تم نے سنا ہوگا۔ یہ مغلیہ خاندان میں چوتھا شہنشاہ تھا جو عدل و انصاف میں نوشیروان سے بھی بازی لے گیا اور اس کی بیوی وہ اعلیٰ صفت ہے جو اس کے نام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اونچا رکھے گی۔

شہنشاہ جہاں گیر نے گدی پر بیٹھتے ہی یہ احکام جاری کروائے تھے کہ وہ ہر مقدمے پر عدالت جانچ پڑتال کے بعد دیانت داری سے بے لاوگ فیصلہ کرے۔

ذرا بھی انصاف میں کوتاہی ہوگی تو منصفوں کو سخت سے سخت سزے داگا۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ منصف نا انصافی تو نہیں کرتے اس نے جاسوس رکھے چھوڑے تھے اور اگر اس کے بعد فریادیوں کو شکایت باقی رہتی یا تو راست اپنے عادل شہنشاہ سے انصاف چاہتے تو خود جہاں گیر داری کرتا۔

اس کا داخل اب بھی موجود ہے جہاں دور دور سے سیاح آ کر اپنی آنکھیں بچھاتے تھے۔ اس عالی شان عمارت کے اوپری حصے میں بڑے بڑے گھنٹے لگائے تھے اور نیچے ایک زنجیر لٹکائی گئی تھی جس کا تعلق ان گھنٹوں سے تھا۔ جب کوئی فریادی آتا تو حکم کے مطابق رات ہو یا دن بے دھڑک زنجیر ہلاتا۔ سارے گھنٹے ایک ساتھ بلند آواز میں چیختے اور شہنشاہ کو اپنے فرض کی طرف بلا تے، جہاں گیر اس وقت کسی حالت میں کیوں نہ ہوتا۔ خاصہ تناول کر رہا ہو یا آرام، ہنسی دل لگی میں مشغول ہو یا غم و غصے میں بیٹھا ہو، ایک دم اٹھ کھڑا ہوتا اور تیز تیز قدم سے جھروکے میں جا پہنچتا۔

وہاں وہ بڑی ہی توجہ اور مہربانی سے فریادی کی پٹیا سنتا جیسے ایک باپ اپنے بچے سے دوسرے بچے کی شارت یا زیادتی کی شکایت سن رہا ہو اور پھر عین انصاف کے مطابق فیصلہ صادر کر دیتا کہ کسی کو اعتراض نہ رہتا۔

تو خیر نور جہاں بانو بیگم اس کی بیوی تھی اور کہا جاتا تھا کہ نور جہاں سے جہاں گیر کو اتنی محبت تھی کہ وہ اس کے بغیر ایک پل زندہ نہیں رہ سکتا تھا اور نہ اس کو ایک پل کے لیے اپنے پاس سے جدا کرتا تھا۔ انتہا یہ کہ جب وہ دربار کرتا تو نور جہاں پردے میں بیٹھتی، اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھتی اور اگر کسی وجہ سے وہ نہ آسکتی تو یہ دربار بھی نہ کرتا گویا میاں بیوی ایک جان دو قابل ہو گئے تھے۔

اتفاق کی بات کہ ایک روز نور جہاں اپنی سہیلیوں اور خادماؤں کے ساتھ باغ گئی۔ باغ میں وہ روشوں پر



سیر کرتی پھر رہی تھی کہ ایک راہ رونے اس پر گستاخ نظر ڈالی۔ یوں تو نور جہاں بڑی سمجھ دار اور ٹھنڈے مزاج کی عورت تھی لیکن وہ بھی اس بے ہودہ حرکت پر غصے کے مارے آپے سے باہر ہو گئی اور اس پر تفتیہ داغ دیا۔ پلک جھپکتے ہی آدی جو ابھی ابھی زندہ تھا خاک و خون میں لتھڑا پڑا تھا۔

آنا فانا یہ خبر سارے شہر میں پھیل گئی کہ ملکہ نور جہاں نے ایک کو گولی مار دی۔ اس کی بھتک جہاں گیر کے کان میں بھی پڑی۔ اس پر سکتہ چھا گیا۔ اسے کچھ بھائی نہ دے رہا تھا۔ ایک طرف محبت تھی اور دوسری طرف انصاف، اس کو دونوں عزیز تھے۔ وہ کسی کو چھوڑنے تیار نہ تھا لیکن بالآخر کش مکش کے بعد انصاف جیت گیا۔ وہ خوش تھا کہ اس کے پاؤں ڈگمگاتے ڈگمگاتے سنہلگئے لیکن نہ معلوم کیوں اس کا دل بیٹھتا جا رہا تھا۔

جس گھڑی کا جہاں گیر کو بے چینی سے انتظار تھا۔ وہ آن پہنچ۔ مقبول کے ورثا اپنے ان داتا سے داد کے طالب ہوئے۔ لوگوں کا خیال تھا کہ سلطنت کی ملکہ جو شہنشاہ کے دل کی بھی ملکہ ہے اس کا معالہ ہے، جہاں گیر ضرور انصاف بھول جائے گا۔ لیکن عادل شہنشاہ نے اطمینان دلایا کہ خون کا بدلہ خون۔ یہی جہاں گیر کا انصاف ہے اور یہی ہو کر رہے گا۔

اسی وقت فرمان شاہی جاری ہوا کہ نور جہاں کو قید کر دیا جائے۔ سلطنت کی ملکہ ہونے کی حیثیت سے اس کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی جائے گی۔ اس کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جائے گا جو عام قیدیوں اور مجرموں کے ساتھ کیا جاتا رہا ہے کیوں کہ انصاف کے آگے سب مجرم برابر ہیں۔

مقررہ وقت پر جہاں گیر بڑے استقلال کے ساتھ دربار عام میں آیا اور عدالت کی کرسی سنبھالی۔ نور جہاں کو حاضر کیا گیا۔ شہنشاہ نے ملزمہ سے چند سوالات کیے جیسا کہ دستور تھا اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ اس نے جان بوجھ پر جان لی ہے تو قطعی فیصلہ سنایا کہ ملزمہ کو پھانسی دی جائے۔

فیصلے کے آخری الفاظ تیر کی طرح کانوں میں گھسے اور دربار میں ایک لمحے کے لیے سناٹا چھا گیا۔ کہاں کو یہ خیال کہ شہنشاہ نور جہاں کو بچالے گا اور کہاں یہ خلاف امید فیصلہ۔ ان کی نظروں میں شہنشاہ اب حقیقت میں خدا کا سایہ ہو گیا۔ سب کے سب شرمندگی اور ندامت سے زمین میں گڑے جا رہے تھے۔

دوسرے لمحے دربار شہنشاہ اور ملکہ کی سلامتی کے نعروں سے گونج رہا تھا۔ مقتول کے وارثوں نے بہ خوشی ملکہ کو معاف کر دیا اور ان کو عدالت نے قانون کی رو سے جان کے معاوضے میں جو رقم دلادی جس کو ”خون بہا“ کہتے ہیں۔ اس خوشی میں شہر بھر کئی روز تک جشن چراغاں منایا اور اپنے شہنشاہ اور ملکہ کے گن گائے گئے۔



خاموش خدمت

کئی سو سال پہلے کی بات ہے، مدینہ منورہ کے کسی کونے میں ایک بڑھیا رہتی تھی۔ اس بے چاری کا خدا کے سوا کوئی نہ تھا۔ بے کس تھی، غریب تھی اور اندھی بھی تھی۔ کھانے پینے کا کوئی سہارا نہ تھا، نہ پہننے کا آسرا، لباس میں لٹے سیدھے پیوند اور چھتڑے پر چھتڑا سی رکھا تھا۔ گھر اگرچہ برا نہیں تھا مگر پھر بھی صفائی کی ضرورت تھی۔ ہر طرف گرد اور کوڑا بکھرا پڑا تھا، دیواروں پر جالے لٹک رہے تھے، دیکھنے سے گھن آتی تھی مگر بڑھیا صبر و شکر کے ساتھ زندگی کے دن پورے کر رہی تھی۔

ایک دن کوئی اللہ کا بندہ ادھر آ نکلا۔ اس نے بڑھیا کو دیکھا۔ بے کسی کی حالت میں چار پائی پڑی ہوئی، کپڑے گندے، گھر بھر میں کوڑے کے ڈھیر، نہ کوئی کھانے کی چیز، نہ پہننے کا کپڑا، پانی کا ایک گھڑا وہ بھی سوکھا ہوا۔ وہ حیران ہوا کہ اس کی طرف اب تک کسی نہ توجہ کیوں نہیں کی؟ اس نے اپنے دل میں کچھ سوچا اور پھر چلا گیا۔ اگلے روز ابھی منہ اندھیرا ہی تھا کہ وہ شخص آیا۔ اس نے بڑھیا کے گھر میں جھاڑو دی۔ کوڑے کے ڈھیر اٹھا کر باہر پھینکے، دیواروں کو جھاڑا، گھڑے کو دھو کر اس میں تازہ پانی بھرا، بڑھیا کا منہ ہاتھ دھلایا، روٹی اس کے آگے رکھی، عصا اس کی چار پائی کے پائے کے ساتھ لگا دیا اور چلا گیا۔

اب تو وہ شخص بلاناغہ آتا، بڑھیا کے گھر کو جھاڑتا پونچھتا، پانی بھرتا اور کھادے کر چلا جاتا۔ بڑھیا خدا کا شکر کرتی اور اس نیک بندے کو دعائیں دیتی۔ اس طرح ایک مدت گزر گئی۔ نہ بڑھیا نے اس شخص سے کبھی اس کا اتا پتا دریافت کیا، نہ اس شخص نے بڑھیا سے کوئی بات کی۔ بڑھیا کو اب اپنی بے کسی کا خیال تک نہ رہا تھا۔ وہ سمجھتی تھی کہ خدا نے اس شخص کے دل میں رحم ڈالا تھا، اور اسے میری خدمت کے لیے بھیجا ہے۔ وہ پیٹ کر بھر کر روٹی کھاتا، تازہ پانی پیتی اور نماز پڑھ کر خوش ہوتی اور اسے دعائیں دیتی تھی۔

ایک دن حضرت عمر کا ادھر سے گزر ہوا۔ اندھی بڑھیا کو دیکھ کر اس کے پاس آئے۔ حالہ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ بڑھیا گھر میں اکیلی رہتی تھی۔ پھر بھی گھر صاف ستھرا ہے۔ گھڑا پانی سے بھر ہوا ہے۔ حیران ہوئے اور بڑھیا سے پوچھا: ”بڑی بی! آپ تو اکیلی ہیں، بوڑھی ہیں، نایابا ہیں، پھر کون شخص آپ کے لیے جھاڑو دیتا ہے، کون پانی



بھرتا اور روٹی لا کر دیتا ہے؟“

بڑھیا نے کہا: ”میں نہیں جانتی، بس اتنا معلوم ہے کہ ایک شخص منہ اندھیرے آتا ہے، گھر میں جھاڑو دیتا

ہے، گھرے میں تازہ پانی بھرتا ہے، روٹی سالن اپنے گھر سے لا کر میرے پاس رکھ دیتا ہے اور چلا جاتا ہے۔“

حضرت عمر نے پوچھا: ”وہ نیک آدمی کون ہے؟“ بڑھیا نے جواب دیا: ”آنکھیں ہوتیں تو دیکھ لیتی، نہ

اس شخص نے کبھی کچھ بتایا نہ میں ن کوئی بات پوچھی۔ خدا سے بے بے لوث خدمت کا اجر ادا ہے۔“

اگلی رات کا تیسرا پہر تھا کہ حضرت عمرؓ بستر سے اٹھے، وضو کیا، تہجد پڑھی اور اس بڑھیا کے گھر کی طرف چل

دیئے، وہاں پہنچے تو ایک جگہ چھپ کر بیٹھے گئے، ابھی تک بڑھیا کی خدمت کرنے والا شخص نہیں پہنچا تھا۔

حضرت عمرؓ بیٹھے دیکھتے رہے۔ آخر وہ شخص آیا، اس نے اپنے معمول کے مطابق پہلے گھر میں جھاڑو دی،

پھر پانی بھرا، کھانا بڑھیا کی چار پائی پر رکھا اور عصا صاف کر کے پائے کے ساتھ رکھ دیا۔ پھر جس خاموش سے آیا

تھا، اسی خاموشی سے واپس چلا گیا۔

حضرت عمرؓ نے غور سے دیکھا تو وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ تھے، جو امیر المؤمنین اور خلیفہ رسول اللہ تھے اور ہر

وقت خدمتِ خلق کے لیے کمر بستہ رہتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے یہ دیکھ کر آہ بھری: ”میں نیکی میں ابو بکر صدیقؓ سے کبھی نہیں بڑھ سکوں گا۔ دنیا بھر کی نیکیاں

شاید انھیں کی قسمت میں لکھی ہیں۔ خدا انھیں جزائے خیر دے۔“



طوطے کا پیغام

پرانے زمانے کی بات ہے ایک سوداگر کے پاس ایک خوب صورت طوطا تھا۔ یہ طوطا بڑی اچھی باتیں کیا کرتا تھا۔ سب گھر والے اس سے محبت کرتے اور اس کا خیال رکھتے تھے۔ ایک دفعہ سوداگر تجارت کے لیے کسی دوسرے ملک جانے لگا۔ اس نے گھر والوں سے پوچھا کہ وہ ان کے لیے کیا کیا تحفے لائے۔ ہر ایک نے اپنی پسند بیان کی۔ سوداگر نے یہی طوطے سے بھی پوچھی۔ وہ بولا ”جب آپ جنگل میں سے گزریں تو وہاں کے طوطوں کو میری طرف سے کہیں کہ تمہیں ملنے کو میرا دل ترس رہا ہے۔ تم آزاد ہو۔ بانوں اور جنگلوں میں مزے کر رہے ہو۔ میں یہاں قید میں ہوں اور ہر وقت تمہیں یاد کرتا ہوں۔“ سوداگر نے طوطے سے وعدہ کیا اور اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔

سوداگر جنگل میں سے گزر رہا تھا کہ اس کی نظر چند طوطوں پر پڑی۔ اس نے گھوڑا روک کر اپنے طوطے کا پیغام سنایا۔ پیغام سنتے ہی ایک طوطا تھر تھر کاہنے لگا اور پھر بے جان ہو کر زمین پر گر پڑا۔ سوداگر کو طوطے کی موت کا بہت افسوس ہوا۔ اس نے سوچا کہ یہ طوطا ضرور میرے طوطے کا کوئی رشتے دار ہے جو اس کا حال سن کر برداشت نہیں کر سکا اور مر گیا۔

جب سوداگر اپنے وطن واپس آیا اور تمام گھر والوں کو ان کے تحفے تقسیم کر چکا تو طوطے نے پوچھا: آپ نے میری فرمائش بھی پوری کی یا نہیں؟ سوداگر نے ٹھنڈی سانس بھر کے طوطے کو سارا قصہ سنا دیا۔ جوں ہی طوطے نے یہ قصہ سنا وہ بھی تھر تھر کاہنے لگا اور پھر بے جان ہو کر پنجرے میں ایک طرف گر گیا۔ سوداگر اور اس کے گھر والوں کو اپنے طوطے کی موت کا بے حد افسوس ہوا۔ کچھ دیر بعد سوداگر نے پنجرہ کھولا اور طوطے کو اٹھا کر باہر پھینکا تو طوطے نے پر پھڑا پھڑائے اور ایک درخت کی اونچی شاخ پر جا بیٹھا۔ طوطا حیران پریشان سوداگر سے کہنے لگا کہ میرے ساتھی نے اپنے عمل سے مجھے آزاد ہونے کا یہ طریقہ بتایا تھا۔ اس نے بتایا کہ آزادی کے لیے جان بھی قربان کی جاسکتی ہے۔ یہ کہہ کر طوطا خوشی خوشی اپنے وطن کی طرف اڑ گیا۔

پیارے بچو! اس کہانی سے آپ کو پتا چلا ہوگا کہ آزادی کتنی بڑی نعمت ہے اور اپنے وطن سے محبت پرندوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ آزادی اور اپنا پیارا وطن حاصل کرنے کے لیے ہم نے بھی بہت سی قربانیاں دی ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ آزادی کی اس نعمت کی دل سے قدر کریں۔ خوب دل لگا کر پڑھیں اور اپنے پیارے وطن کی ترقی اور خوش حالی کے لیے پوری کوشش کریں۔



